راشدہ رفعت

ہے زندگی کتنی حسین

یہ شہر کا مشہور اور مہنگا ترین اسپتال تھا۔ اس اسپتال کے انتہائی نگہداشت وارڈ کے وی آئی پی روم میں اس وقت وہ مریض زیر علاج تھا جو دو روز قبل اسی اسپتال میں دوسرے مریضوں کا علاج کیا کرتا تھا۔ مریض کا نام ڈاکٹر مصطفیٰ حیات تھا، دو روز قبل وہ معمول کے مطابق اپنے مریضوں کا معائنہ کر رہے تھے جب بے تحاشا گھبراہٹ کے ساتھ سینے میں بائیں جانب درد اٹھا۔ وہ ڈاکٹر تھے۔ سمجھ گئے دل دغا دینے کی تیاری پکڑ رہا ہے، انہوں نے ساتھی ڈاکٹرز کو اپنی کیفیت سے مطلع کیا تھا۔ بے ہوش ہونے سے قبل انہیں آخری خیال اپنے بیوی بچوں کا آیا تھا اور جو نام انہوں نے آخری بار پکارا وہ ان کی شریک حیات عفیفہ کا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اللہ کا شکر ہے مما، پاپا کی حالت اب خطرے سے باہر ہے آپ پلیز گھر جا کر تھوڑا سا آرام کر لیں۔ انابیہ نے ماں کے ہاتھ تھام کر انہیں لجاجت سے مخاطب

مکمل ناول

Famous Urdu Novels.com
http://famousurdunovels.blogspot.com/

کیا۔
"جب تک مصطفیٰ کو پوری طرح ہوش نہیں آتا میں کہیں نہیں جارہی۔" عفیفہ کا لہجہ نقاہت بھرا تھا لیکن انداز اٹل تھا۔
"پاپا کو ہوش آگیا ہے مما! اب صرف دوائیوں کے زیر اثر غنودگی میں ہیں۔" اس نے ماں کو سمجھانا چاہا۔
"میں نے کہا نا، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم بھائیوں کے پاس گھر چلی جاؤ۔ وہ دونوں پریشان ہو رہے ہوں گے۔" عفیفہ نے بیٹی کو نرمی سے مخاطب کیا۔
صغریٰ بی ہیں ان کے پاس۔ رات کو بھی وہیں رکی تھیں۔" اس نے ملازمہ کی بابت بتایا تھا۔ عفیفہ نے ہنکارا بھرا تھا۔ کچھ دیر کے لیے کمرے میں بے نام سی خاموشی چھاگئی تھی۔
"میں خالد انکل سے مل کر آتی ہوں۔ پاپا کی صحت کی کنڈیشن وہی صحیح طور پر بتا سکتے ہیں۔" وہ دھیرے سے کہتی ڈاکٹر سے ملنے چلی گئی تھی۔ عفیفہ کی نگاہوں نے پھر سے مصطفیٰ کے چہرے کا طواف شروع کردیا تھا۔
اتنے میں ہی مصطفیٰ ذرا سا کسمسائے تھے۔ عفیفہ لپک کر ان کے پاس پہنچی تھیں۔ مصطفیٰ نے ذرا کی ذرا آنکھیں کھول کر پاس کھڑی بیوی کو دیکھا۔ پھر دوبارہ آنکھیں موندلیں۔
"پلیز مصطفیٰ! جلدی سے ٹھیک ہوجائیں۔" عفیفہ نے ان کے ہاتھ تھام کر جیسے التجا کی جبکہ آنکھوں سے آنسو گرنا شروع ہوگئے تھے۔
"میں اب ٹھیک ہوں عفی۔" وہ آنکھیں کھولتے ہوئے نقاہت زدہ لہجے میں بولے تھے۔ عفیفہ نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ برسوں ہوئے وہ اپنے لیے یہ طرز تخاطب بھول چکی تھیں۔
"انابیہ کہاں ہے؟" مصطفیٰ کو سب سے پہلے بیٹی کا ہی خیال آیا تھا۔ "یہیں اسپتال میں ہی ہے' ڈاکٹر خالد سے ملنے گئی ہے' بلکہ میں بلواتی ہوں خالد بھائی کو تاکہ اگر آپ کا چیک اپ کرلیں۔"
"میں بھی ڈاکٹر ہوں عفی۔ کہہ رہا ہوں نا' اب حالت سنبھلی ہے۔" وہ دھیرے سے مسکرائے تھے۔
"آپ نے ہم سب کی جان نکال لی تھی مصطفیٰ۔" عفیفہ سسک پڑی تھیں۔ مصطفیٰ خاموش نگاہوں سے بیوی کو تکتے رہے۔
"پاپا جان اور مرتضیٰ بھائی کو اطلاع کردی تھی نا۔" وہ پوچھ رہے تھے۔ عفیفہ نے تڑپ کر انہیں دیکھا گویا کہہ رہی ہوں کہ یہ حق آپ نے مجھے دیا ہی کب۔ مصطفیٰ ان کی خاموش زخمی نگاہوں کی تاب نہ لاپائے تھے۔
"میں تم سب کا مجرم ہوں عفی۔" "تم سے معافی مانگے بنا میں مرنا نہیں چاہتا تھا۔ آئی ایم سوری عفی۔"
"پلیز مصطفیٰ! آگے ایک لفظ نہیں۔ میں آپ کو کیسے بتاؤں کہ آپ میرے لیے کیا ہیں۔" انہوں نے بے ساختہ شوہر کے ہاتھ لبوں سے لگالیے تھے۔ تبھی انابیہ دروازہ کھول کر اندر آئی تھی۔ اگر مصطفیٰ نے آنکھیں موندی بھی ہوتیں تو یہ منظر قابل فہم تھا' وہ باپ کے لیے ماں کی دیوانگی کے بہت سے مناظر پچھلے دو دنوں سے دیکھ رہی تھی لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ مصطفیٰ مکمل ہوش و حواس میں تھے اور محبت بھری نگاہوں سے بیوی کو تک رہے تھے۔
"پاپا۔" انابیہ لپک کر ان کے قریب آئی۔ وہ جیسے اب تک اس کی آمد سے لاعلم تھے' پکارے جانے پر یکدم چونکے۔ عفیفہ نے بھی جھجل سا ہوکر ان کے ہاتھ چھوڑے تھے۔
"پاپا کی جان۔" مصطفیٰ نے بانہیں بیٹی کے لیے وا کردیں۔ وہ ان کے سینے سے جا چمٹی تھی۔
"آپ نے ہم سب کی جان نکال دی تھی پاپا۔" ان کی بیٹی روتے ہوئے ماں والا فقرہ ہی دہرا رہی تھی۔ مصطفیٰ بے ساختہ مسکرائے تھے پھر بیٹی کی پیشانی چوم لی۔
"پاپا نے ساری زندگی ہر کسی کو پریشان ہی کیا ہے بیٹا۔ شاید قدرت نے ایک مہلت دے دی کہ جانے سے پہلے اپنی غلطیوں کی تصحیح کرلوں۔" وہ دھیرے سے بولے پھر عفیفہ کی سمت دیکھا۔
"مرتضیٰ بھائی کو اطلاع کردو عفی۔ اگر پہلے اطلاع کردیتیں تو یہ کڑا وقت تمہیں اکیلے نہ گزارنا پڑتا۔ یہ ایسا وقت تھا کہ تم میری حکم عدولی کرسکتی تھیں۔" عفیفہ کچھ نہ بولی تھیں' بس ذرا سا مسکرا کر اثبات میں گردن ہلادی۔
"سلمان اور سمعان گھر پر ہیں؟" وہ اب بیٹوں کے متعلق پوچھ رہے تھے۔
"جی پاپا! بہت مشکل سے انہیں گھر روکا ہے۔ آنے کی ضد کررہے تھے۔" جواب انابیہ نے دیا تھا۔ تب ہی ڈاکٹر خالد اور ڈاکٹر اکبر اندر آئے تھے۔
"مریض بن کر بیڈ پر لیٹے آپ بالکل اچھے نہیں لگ رہے ڈاکٹر صاحب جلدی سے صحت پکڑیں اور اسپتال کی جان چھوڑیں۔" ڈاکٹر اکبر نے بشاشت سے مخاطب کیا۔ مصطفیٰ مسکرادیے تھے۔ انابیہ دل کی [illegible] باپ کی صحت یابی کے متعلق دونوں ڈاکٹرز سے [illegible] سوال پوچھنے لگی جبکہ عفیفہ اپنا سیل فون ہاتھ میں لیے کمرے سے باہر نکل گئیں۔ انہیں نہ صرف گھر پر موجود بیٹوں کو باپ کی خیریت بتانا تھی بلکہ کہیں اور بھی فون کرنا تھا۔ اس دعا کے ساتھ انہوں نے نمبر ملایا تھا کہ کہیں [illegible] کنکشن منقطع نہ ہوگیا ہو۔ نمبر ان کے دل پر [illegible] تھا۔ تیئس برسوں بعد بھی انہیں نمبر یاد کرنے کے لیے ذہن پر زور نہ دینا پڑا تھا۔ میکانکی طریقے سے ان کی انگلیوں نے نمبر پریس کیا تھا۔ دوسری طرف بیل جارہی تھی۔ عفیفہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔
تیسری بیل پر فون اٹھالیا گیا تھا۔ عفیفہ نے کپکپاتی ہوئی آواز میں سلام کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں غلطی پر تھا بابا جان! اس کا ادراک مجھے برسوں پہلے ہوگیا تھا' لیکن میری انا مجھے خود سے بھی یہ اعتراف کرنے کی اجازت نہ دیتی تھی۔ میں جھک نہ سکا اور آخر کار ٹوٹ گیا۔ میری غلطیوں کو معاف کرکے مجھے پھر سے اپنے دامن میں سمیٹ لیں۔" وہ اونچا لمبا وجود ہچکیوں سے رو رہا تھا۔ ڈرائنگ روم میں جتنے بھی نفوس موجود تھے' سب کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔
"غلطی صرف تجھ سے نہیں ہوئی مصطفیٰ! قصور وار تو میں بھی ہوں۔ یہ اونچی ناک اور بے پناہ انا تجھے مجھ سے ہی تو وراثت میں ملی ہے۔" بابا جان نے بیٹے کو خود سے چمٹالیا تھا۔ آنسوؤں سے ان کی ریش تر ہوچکی تھی۔
"جب زندگی مجھ سے روٹھنے لگی تب اندازہ ہوا کہ میں نے تو اپنی زندگی کا قیمتی وقت فضول کی ہٹ دھرمی کی نذر کردیا۔ گزرا وقت لوٹ نہیں سکتا بابا لیکن میں اپنی زندگی کا باقی وقت آپ سب کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔"
"تو نے خود پر اور مجھ پر جو ظلم کیا سو کیا مصطفیٰ! لیکن میری بیٹی کو تو بغیر کسی قصور کے سب سے جدا کردیا۔"

http://famousurdunovels.blogspot.com/

قصور وار میں اور تم تھے، سزا اس کو بھگتنا پڑی۔" بابا جان نے اپنا دوسرا بازو وا کر کے عفیفہ کو اپنے ساتھ لگایا تھا۔ وہ جان سے پیارے تایا کا لمس پا کر پھر سے سسکنے لگی تھیں۔

"جو ہوا سو ہوا۔ سب کچھ بھول جائیں۔ آج خوشی کا دن ہے۔ یوں رونے دھونے اور منہ بسورنے کا نہیں۔ پلیز گرینڈ پا! زیادہ جذباتی ہو کر اپنی طبیعت تو خراب کریں گے ہی، ساتھ چاچو کے لیے بھی زیادہ ایموشنل ہونا ٹھیک نہیں۔" شہریار نے دادا کو مخاطب کیا۔ ساتھ بیٹھے مرتضیٰ نے بھی بیٹے کی بات کی تائید کی۔ مصطفیٰ نے محبت سے بھتیجے کو دیکھا۔ جب انہوں نے حویلی اور حویلی والوں سے قطع تعلق کیا تو وہ فقط ساڑھے پانچ برس کا تھا اور اب وہ بھرپور خوبرو جوان تھا۔

"آپ دونوں نے گرینڈ پا سے بہت لاڈ اٹھوا لیے۔ اب جگہ خالی کریں۔ گرینڈ پا نے اپنی پوتی اور پوتوں کو بھی پیار کرنا ہے۔" شہریار نے مسکرا کر عفیفہ اور مصطفیٰ کو مخاطب کیا۔

"آئیں انابیہ صاحبہ اور سلمان، سمعان آؤ نا یار۔ یوں دور کھڑے کیا شرما رہے ہو۔" اس نے اب تینوں کزنز کو مخاطب کیا۔

"میں مل چکی ہوں دادا جان سے۔" انابیہ ذرا جھجکی تھی۔

"آؤ میرا بچہ۔ ابھی تو دادا کا تمہاری صورت دیکھ کر ہی دل نہیں بھرا ہے۔" حیات احمد نے پیار سے پوتی کو مخاطب کیا۔

"بالکل ہماری عفی کا عکس ہے نا بابا۔" مرتضیٰ باپ سے مخاطب تھے۔

"اور ہم دونوں پاپا میں ملتے ہیں۔" سمعان جھٹ بولا تھا۔ ڈرائنگ روم میں سب کا زور دار قہقہہ گونجا۔ سمعان بھی جھینپ کر ہنس پڑا تھا۔

☆ ☆ ☆

ڈاکٹرز نے ابھی مصطفیٰ کو مسلسل بیڈ ریسٹ کی تاکید کی تھی لیکن مصطفیٰ حویلی جانے پر بضد تھے۔

"ڈاکٹرز کے مطابق ابھی تمہارے لیے سفر کرنا ٹھیک نہیں ہے مصطفیٰ۔" مرتضیٰ نے بھائی کو سمجھانا چاہا۔

"میں خود ایک ڈاکٹر ہوں مرتضیٰ بھائی! مجھے علم ہے کہ کیا چیز میرے لیے ٹھیک ہے اور کیا نہیں۔" مصطفیٰ مسکرائے تھے۔

"کون کہتا ہے تم بدل گئے۔ تم تو ابھی بھی اتنے ہی ضدی ہو۔" مرتضیٰ نے چھوٹے بھائی کو مصنوعی خفگی سے دیکھا تھا۔

"آپ جانتے ہیں مرتضیٰ بھائی! میں اب بونس پر جی رہا ہوں۔ جانے کب مہلت ختم ہو جائے۔ میں چاہتا ہوں اس سے پہلے۔"

"اچھا بس اب زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ عفیفہ سے کہو سامان باندھے۔ ہم آج شام کو ہی گاؤں کے لیے نکلتے ہیں۔" مرتضیٰ نے سرعت سے بھائی کی بات کاٹی تھی۔ مصطفیٰ نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆ ☆

واپسی کا سفر شروع ہو چکا تھا۔ شہریار ان کی گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ ان کا بھتیجا کافی بذلہ سنج تھا۔ اس نے آغاز میں کچھ چٹکلے چھوڑے تھے لیکن مصطفیٰ اور عفیفہ دونوں ہی کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ شہریار ان کی ذہنی کیفیت سمجھ گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے چچا، چچی کو مخاطب نہ کیا تھا۔ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھے سمعان سے ہلکی پھلکی گپ شپ لگاتا رہا۔ انابیہ اور سلمان دوسری گاڑی میں دادا اور تایا کے ہمراہ تھے۔

"آپ نے اپنی میڈیسن تو رکھ لی نا مصطفیٰ۔" عفیفہ کو اچانک خیال آیا تو شوہر کو مخاطب کیا۔ انہوں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ عفیفہ مطمئن ہو گئی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک نگاہ شریک حیات پر ڈالی۔ ان کی محبت کرنے والی، پاک باز اور وفا شعار بیوی ان کے لیے قدرت کا عظیم تحفہ تھی۔ انہیں قدرت کی اس

عنایت کا نہ تو کوئی ادراک ہوا نہ ہی انہوں نے اس نعمت کی قدر کی۔ جس محبت کے نہ ملنے کا وہ تمام عمر غم مناتے رہے، دل کی سرزمین پر اس قربت کے نقش تو مدھم ہو کر جانے کب کے مٹ چکے تھے۔ اب وہاں صرف اور صرف عفیفہ کا راج تھا لیکن ان کی ضد اور انا نے انہیں کبھی خود سے بھی یہ اعتراف نہ کرنے دیا تھا۔

عفیفہ جو ہمیشہ ان کے لیے عفی تھی۔ ان کے مرحوم چاچا چچی کی اکلوتی بیٹی اور ان کی بچپن کی دوست۔ عفیفہ کے والدین کا ایک ٹریفک ایکسیڈنٹ میں اس وقت انتقال ہوا تھا جب وہ فقط تین برس کی تھی۔ ماں باپ سے اس کا تعارف تصویروں کے ذریعے ضرور تھا لیکن حقیقت میں تایا، تائی ہی اس کے لیے اس کے ماں باپ تھے۔

تایا کے بچوں میں سب سے بڑے مرتضیٰ تھے۔ وہ عفیفہ سے ویسا ہی پیار کرتے جیسے اپنی چھوٹی بہن ناعمہ سے۔ مرتضیٰ بھائی کا چھوٹے بہن بھائیوں پر بڑے بھائیوں والا رعب تھا۔

ناعمہ اور عفیفہ دونوں ہی ان سے ڈرتی تھیں اور پھر مصطفیٰ تھا جو عمر میں عفیفہ سے تین برس بڑا تھا۔ ناعمہ، عفیفہ سے ڈیڑھ برس بڑی تھی۔ عمروں کے اس تفاوت کے باوجود مصطفیٰ، عفیفہ اور ناعمہ تینوں گہری دوستی کے بندھن میں بندھے ہوئے تھے۔ ساتھ کھیل کود کر جوان ہوئے تھے۔ مصطفیٰ کی شرارتیں اب بھی برقرار تھیں۔ وہ اب بھی عفیفہ اور ناعمہ سے پہلے کی طرح چھیڑ چھاڑ کرتا تھا لیکن پہلے کے برعکس عفیفہ اسے دوبدو جواب نہ دیتی تھی بلکہ مسکرا کر خاموش ہو جاتی۔ ذہین، فطین مصطفیٰ کو علم ہی نہ ہو سکا کہ اس کی بچپن کی دوست عفی اب اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے سے اس لیے کترانے لگی ہے کہ کہیں مصطفیٰ ان آنکھوں میں اپنی محبت کا عکس نہ پالے۔ مشرقی لڑکی کی شرم و حیا نے محبوب کو حال دل سنانے کی اجازت ہی نہ دی اور محبوب کسی اور کی زلف کا اسیر ہو گیا۔

مصطفیٰ میڈیکل کے تھرڈ ایئر میں تھا جب اسے اپنے دوست کی بہن حوریہ سے طوفانی قسم کی محبت ہو گئی تھی۔ اس محبت کا ہمراز اس نے سب سے پہلے عفیفہ کو ہی بنایا تھا۔ عفیفہ دل کی ٹیسوں کو دل میں دبا کر کسی اور کے لیے مصطفیٰ کی بے تابیوں کے قصے سنتی رہی۔ مصطفیٰ شہر میں میڈیکل کالج کے ہاسٹل میں رہائش پذیر تھا۔ اس کا دوست عدنان ڈے اسکالر تھا۔ مصطفیٰ جب ہاسٹل کے بدمزہ کھانے کھا کر اوب جاتا تو عدنان اسے زبردستی اپنے ساتھ گھر لے جاتا۔ اس کی فیملی خاصی ماڈرن اور روشن خیال تھی۔ عدنان کی بہنیں بھی مصطفیٰ کے ساتھ بے تکلفانہ ماحول میں گپ شپ لگاتی تھیں۔ سیاست، تاریخ، ادب، موسیقی غرض کون سا ایسا موضوع گفتگو تھا جو ڈسکس نہ ہوتا۔ عدنان سے چھوٹی حوریہ جو خود خاصی انٹلکچوئل پرسنیلٹی کی مالک تھی کب اور کیسے مصطفیٰ کے دل میں اترتی چلی گئی مصطفیٰ کو اندازہ تک نہ ہوا۔

اس محبت کا ادراک تب ہوا جب عدنان نے بتایا کہ گھر میں حوریہ کا ایک پروپوزل ڈسکس ہو رہا ہے۔ یہ بات سن کر مصطفیٰ کے دل کی دنیا زیر و زبر ہو گئی تھی۔ اس نے کسی مناسب موقع کے انتظار میں مزید دیر کرنا مناسب نہ جانا اور سیدھے سبھاؤ حوریہ سے حال دل کہہ ڈالا۔ حوریہ تو شاید پہلے ہی اس خوبرو شخص کے دل ہار چکی تھی۔ اس نے مصطفیٰ کو یقین دلایا کہ محبت کے اس سفر میں وہ تنہا نہیں ہے۔ مزید یہ کہ مصطفیٰ تسلی رکھے، حوریہ کے گھر والے اس کی مرضی کے بغیر اس کا رشتہ کہیں طے نہیں کر سکتے۔ مصطفیٰ یکسوئی سے اپنی تعلیم مکمل کرے تاکہ حوریہ کے گھر والوں کے آگے اس کے لیے دست سوال بلند کرنے کی پوزیشن میں ہو۔

حوریہ کے اس اعتراف اور اظہار کے بعد مصطفیٰ گویا ہواؤں میں اڑنے لگا تھا۔ محبت کی رہگزر پر وہ تنہا نہیں ہے، یہ احساس ہی کتنا خوش کن تھا۔ گھر میں عفیفہ کے سوا اس نے کسی سے بھی حال دل ڈسکس

Famous Urdu Novels
http://famousurdunovels.blogspot.com

نہ کیا تھا۔ ہاں حوریہ کے گھر والوں کو کسی حد تک اندازہ ہو گیا تھا کہ حوریہ اور مصطفیٰ ایک دوسرے میں دلچسپی لینے لگے ہیں۔ عدنان نے خود مصطفیٰ سے یہ معاملہ ڈسکس کیا تھا۔

"حوریہ ہم سب کی بہت لاڈلی ہے مصطفیٰ اور ہم سب تم دونوں کی چاہت سے بھی آگاہ ہیں۔ میں اس معاملے میں روایتی غیرت مند بھائی والا رول پلے نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ تم میرے دوست ہو اور مجھے بہت عزیز بھی ہو۔ تمہاری شرافت و نجابت پر بھی مجھے کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں لیکن" عدنان نے گہرا سانس کھینچتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"لیکن کیا عادی۔" مصطفیٰ نے بے چینی سے اس کی بات مکمل کروانا چاہی۔

"لیکن تمہارے اور ہمارے فیملی بیک گراؤنڈ میں بہت فرق ہے مصطفیٰ! تم لوگ خالص زمیندارانہ پس منظر رکھتے ہو۔ تمہاری ساری فیملی بھی گاؤں میں رہتی ہے تم۔" "اگر حوریہ کو گاؤں میں رہائش رکھنے پر اعتراض ہو گا تو ہم شادی کے بعد شہر میں ہی رہ لیں گے۔" مصطفیٰ نے عدنان کی بات کاٹتے ہوئے اسے جھٹ یقین دہانی کروائی تھی۔ عدنان اس کی جلد بازی پر ہولے سے ہنس پڑا۔

"میرا کہنے کا یہ مقصد نہیں تھا مصطفیٰ۔ دراصل مجھے اور میری فیملی کو یہ خدشہ ستا رہا ہے کہ کہیں تمہاری فیملی اس بات کو پسند نہ کرے کیونکہ عموماً گاؤں میں بسنے والے چاہے جتنا مرضی پڑھ لکھ جائیں بچوں کی شادیوں کے وقت ذات' برادری کو ترجیح دیتے ہیں اور ہماری تمہاری کاسٹ بالکل مختلف ہے مصطفیٰ۔" عدنان آخر دلی خدشہ زبان پر لے ہی آیا تھا۔ مصطفیٰ جو یہ سوچ رہا تھا کہ جانے عدنان کیا کہنے والا ہے' عدنان کی بات سن کر اس کی کب سے رکی سانس بحال ہوئی۔ وہ کھل کر ہنس پڑا تھا۔

"تمہارا قصور نہیں ہے عادی۔ ہم زمینداروں کے بارے میں عمومی رائے یہی ہے کہ ہم بعض معاملوں میں بہت تنگ نظر ہوتے ہیں فلموں' ڈراموں اور حتیٰ کہ ملکی ادب میں بھی ہمیں بہت دقیانوسی سوچ کا حامل دکھایا جاتا ہے۔ لوگ یہ ہی دیکھ' پڑھ کر ہمارے بارے میں رائے قائم کر لیتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہوں گا عادی کہ یہ منظر کشی سو فیصد غلط ہے لیکن یہ سو فیصد صحیح بھی نہیں ہے۔ میں کم از کم اپنے خاندان کے حوالے سے مکمل گارنٹی دینے کو تیار ہوں میرے بابا تو ذات' برادری کو قطعی اہمیت نہیں دیتے۔

مرتضیٰ بھائی کی شادی بابا جان نے اپنے دوست کی بیٹی سے کی۔ علیم الدین صاحب ہمارے گاؤں کے اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہوتے تھے۔ انہوں نے ساری عمر گاؤں کے بچوں' بچیوں میں علم کی شمع روشن کی۔ وہ میرے بابا کے گہرے دوستوں میں سے ہیں۔ مختلف برادری سے تعلق رکھنے کے باوجود بابا جان نے مرتضیٰ بھائی کے لیے ان کی بیٹی کا ہاتھ مانگا۔ لوگوں کو تعجب بھی ہوا لیکن الحمد للہ بابا کا انتخاب بالکل درست ثابت ہوا مرتضیٰ بھائی اور میمونہ بھابھی بہت خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔" عدنان کی تسلی کے لیے مصطفیٰ نے تفصیلی جواب دیا تھا۔ اس وضاحت کے بعد عدنان بھی مطمئن ہو گیا تھا۔

"ایک بات اور عادی اگر ذات برادری یا اسی طرح کا کوئی اور انشو الحتاتب بھی میں ہر گز پیچھے نہ ہٹتا دستبردار نہ ہوتا۔ میں نے حوریہ سے محبت کی ہے میں پورے عزت و احترام سے اسے اپنی زندگی کا حصہ بناؤں گا۔" مرتضیٰ نے دوست کو بھرپور یقین دلایا تھا۔

"مجھے تم پر یقین ہے مصطفیٰ۔ بس حوریہ ہم سب کو بہت پیاری ہے یوں سمجھو کہ گھر بھر کی جان ہے اس میں۔ اس لیے اوور کانشیئس ہو رہے تھے کہ کبھی اسے کوئی جذباتی دھچکا نہ پہنچے۔ میری بہن بہت حساس ہے مصطفیٰ۔ اس کا ہمیشہ خیال رکھنا۔" عدنان ذرا جذباتی ہوا تھا۔

"کہنے کی ضرورت نہیں۔" مصطفیٰ دھیرے سے مسکرا کر بولا۔

اور پھر حوریہ کے گھر جانے اور اس سے ملنے میں تھوڑی بہت جھجک پیش آتی تھی اس کا خاتمہ ہو گیا۔ عدنان کے گھر اسے عدنان کا دوست نہیں بلکہ مستقبل کے داماد والا پروٹوکول ملتا تھا۔ حوریہ کے ساتھ بیٹھ کر اس نے مستقبل کے کتنے سنہری سپنے بن لیے تھے اور عفیفہ کے مشورے پر اب وہ اپنی ماں جی کو محبت کے راز میں شریک کرنا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے وہ ماں کو کچھ بتا پاتا اچانک حرکت قلب بند ہونے سے ماں جی راہی عدم سدھار گئیں۔ یہ مصطفیٰ کے لیے بہت بڑا جذباتی دھچکا تھا۔

وہ ماں کا لاڈلا ترین بچہ تھا۔ ان کی موت کو وہ کسی طور قبول نہ کر پا رہا تھا ایسے میں عفیفہ نے اس کی بہت ہمت بندھائی حالانکہ وہ خود ماں جیسی تائی کے بچھڑنے کا غم نہ بھلا پا رہی تھی لیکن گھر والوں کو سنبھالنے سمیٹنے کے لیے اسے اپنا غم پس پشت ڈالنا پڑا تھا۔ تایا جان' مرتضیٰ بھائی' ناعمہ اور سب سے بڑھ کر مصطفیٰ اس کی دلجوئی میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ مصطفیٰ ماں کی باتیں' ان کی یادیں دہرانے پر آتا تو گھنٹوں بولتا رہتا۔ ان دنوں اسے حوریہ کی یاد بھی نہ ستاتی تھی حوریہ اس کی ماں کے انتقال پر اس سے بھرپور تعزیت کر چکی تھی۔ اس کی ذہنی کیفیت سمجھتے ہوئے وہ اسے تسلی دلاسا دینے کی حتی المقدور کوشش بھی کرتی' لیکن یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ مصطفیٰ کی ماں سے اس کی کوئی جذباتی وابستگی نہ تھی سو جو تسلی دیتی تو وہ ایک رسمی تسلی ہوتی۔ ان دنوں اسے عفیفہ کے وجود سے ہی جذباتی ڈھارس ملتی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ غم زدہ دل کو قرار آ ہی گیا۔ اب اس کی ہاؤس جاب شروع ہو چکی تھی۔ انتہائی ٹف شیڈول کے باوجود وہ حوریہ سے ملنے کا وقت نکال لیتا تھا۔ حوریہ کی خواہش تھی کہ اب مصطفیٰ کے گھر والے اس کا باقاعدہ رشتہ مانگ لیں۔ مصطفیٰ کافی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ بابا جان سے اس موضوع پر بات کرے لیکن اسے ہرگز اندازہ نہ تھا کہ بابا جان بھی کچھ سوچے بیٹھے ہیں اور شدت سے اس کی آمد کے منتظر ہیں۔ رات کے کھانے کے بعد بابا جان نے اسے اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔

"تمہاری بھابھی ناعمہ کے لیے اپنے بھائی کا رشتہ پیش کر رہی ہیں' تمہاری کیا رائے ہے اس بارے میں؟"

"عاقب اچھا لڑکا ہے بابا جان! لیکن اس طرح تو وٹہ سٹہ نہیں ہو جائے گا۔"

"میں بھی یہ ہی سوچ کر متذبذب تھا لیکن میمونہ بہت سلجھی ہوئی بچی ہے اتنے برس ہو گئے ہیں مرتضیٰ کی شادی کو' کبھی بھی بچیوں کے ساتھ میمونہ کی نند بھاوج والی چپقلش نہیں ہوئی' پھر عاقب ہماری نظروں کے سامنے پلا بڑھا ہے' میرا بچہ ہے۔ اس کا باپ علیم الدین تو ہے ہی میرا جگری یار۔ جب میں نے مرتضیٰ کے لیے میمونہ کا ہاتھ مانگا تھا تو اس نے سوچنے کے لیے پانچ سیکنڈ کی بھی مہلت نہ لی تھی اور اب جب وہ لوگ اپنے بیٹے کے لیے ہماری بیٹی کے طلب گار ہوئے ہیں تو ہم چند بے بنیاد خدشات کا شکار ہو رہے ہیں۔ متذبذب ہیں۔ علیم الدین نے تو کہہ دیا ہے کہ ہمارا جو بھی جواب ہو گا' وہ اسے خوش دلی سے تسلیم کرے گا۔ میرا دل تو اس رشتے پر راضی ہے بیٹا۔ مرتضیٰ بھی راضی ہے۔ بس مجھے تمہاری رائے کا انتظار ہے تاکہ ان لوگوں کو حتمی جواب دے دوں۔" بابا جان نے طویل تمہید باندھی تھی۔

"ٹھیک ہے بابا پھر آپ علیم انکل کو ہاں کر دیں۔ عاقب واقعی ہر لحاظ سے ہماری ناعمہ کے قابل ہے۔ اللہ کا نام لے کر بات پکی کر دیں۔" مصطفیٰ نے بھی مثبت عندیہ دے دیا۔

"بس پھر ٹھیک ہے علیم الدین کو ہاں کہہ دیتا ہوں۔ وہ تو جلد شادی کے خواہش مند ہیں مگر انہیں چند ماہ انتظار کرنا ہو گا۔ تمہاری ہاؤس جاب مکمل ہو جائے تو تمہارے ولیمے والے دن ناعمہ کو رخصت کر دیں گے۔ الحمد للہ میں اپنی تینوں ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاؤں گا۔ جب سے تمہاری ماں کا اچانک بلاوا آیا ہے میں اپنی زندگی کے حوالے سے بہت خائف رہنے لگا ہوں۔ دن رات اللہ سے یہی دعا کرتا ہوں کہ

http://famousurdunovels.blogspot.com

کم از کم میں اپنی دونوں بچیوں کو اپنی زندگی میں ہی گھر بار کا کر دوں۔

بابا جان بول رہے تھے اور مصطفیٰ نا سمجھی سے انہیں تک رہا تھا۔ ان کی اس بات کا جو مفہوم نکلتا تھا، مصطفیٰ کا ذہن اسے تسلیم کرنے سے انکاری تھا۔

"ویسے ہم پر اللہ کا کتنا کرم ہے نا مصطفیٰ۔ ایک بیٹی رخصت ہو کر اپنے گھر چلی جائے گی تو دوسری بیٹی رخصتی کے بعد بھی ہماری آنکھوں کے سامنے رہے گی۔ تمہاری بہشتی ماں کی بھی یہی خواہش تھی کہ عفیفہ..."

"میں عفّی سے شادی نہیں کر سکتا بابا جان۔" مصطفیٰ نے یک لخت ان کی بات کاٹی تھی۔ بابا جان یہ بات سننے کی ہرگز توقع نہ کر رہے تھے۔ چند لمحے وہ کچھ نہ بول سکے۔

"میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں بابا جان! اور آج میں آپ سے اسی موضوع پر بات کرنا چاہتا تھا۔ میرے دوست عدنان کو تو آپ جانتے ہیں نا۔ ایک بار وہ میرے ساتھ گھر بھی آیا تھا۔ حوریہ اس کی چھوٹی بہن ہے۔ ہم ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہیں بابا جان! وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ ہم دونوں کے درمیان بہت انڈر اسٹینڈنگ ہے بابا جان۔" مصطفیٰ نے لجاجت سے باپ کو مخاطب کیا۔

"کیا وہ لڑکی عفیفہ سے بھی اچھی ہے؟" انہوں نے سرد سے لہجے میں استفسار کیا۔

"عفیفہ کے ساتھ اس کا کیا موازنہ؟" مصطفیٰ قدرے جھنجلا کر بولا۔

"ہاں عفیفہ کے ساتھ کسی ایسی ویسی لڑکی کا موازنہ یا مقابلہ کیا بھی نہیں جا سکتا۔" انہوں نے ہنکارا بھر کر کہا تھا۔

"ایسی ویسی سے آپ کی کیا مراد ہے۔" مصطفیٰ چیخ کر بولا۔

"میں فضول کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا مصطفیٰ۔ تمہاری شادی عفیفہ سے ہی ہوگی۔ یہ تمہاری مرحومہ ماں کی بھی خواہش تھی اور میرا بھی یہی فیصلہ ہے۔" انہوں نے بیٹے کو بے لچک انداز میں مخاطب کیا۔

"میں نے عفّی کو کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا بابا جان۔ وہ صرف میری کزن ہے اور بہت اچھی دوست۔"

"میں نے اور تمہاری مرحومہ ماں نے تمہارے بچپن میں ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ عفیفہ ہی تمہاری دلہن بنے گی لیکن اس بات کا اعلان کرنے کا وہ مناسب وقت نہ تھا۔ عفیفہ اسی گھر میں پل بڑھ کر بڑی ہوئی ہے۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ تم دونوں کے بیچ کسی قسم کی جھجک پیدا ہو لیکن اب احساس ہو رہا ہے کہ ہم غلطی پر تھے۔ اگر تمہیں پہلے علم ہوتا کہ عفیفہ نے تمہاری شریک حیات بننا ہے تو تم کسی اور لڑکی کی جانب دیکھتے بھی نہیں لیکن خیر جو ہوا سو ہوا۔ ابھی بھی بہت دیر نہیں ہوئی ہے۔ جس وقتی پسندیدگی کو تم محبت کا نام دے رہے ہو اس سے جلد از جلد پیچھا چھڑوا لو۔ تمہاری شادی عفیفہ سے ہی ہوگی یہ میرا اٹل فیصلہ ہے اور میں دوبارہ اس موضوع پر بحث نہیں کرنا چاہوں گا۔"

کس بے نیازی سے بابا جان نے حکم صادر کیا تھا۔ مصطفیٰ بے بسی سے انہیں دیکھ کر رہ گیا۔ وہ سیدھا عفیفہ کے پاس گیا تھا۔

"تم جانتی ہو عفّی! بابا جان تمہارے اور میرے متعلق کیا سوچے بیٹھے ہیں میں حوریہ کے سوا کسی سے شادی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ حوریہ کے لیے میری چاہت اور دیوانگی سے تم اچھی طرح واقف ہو۔ پلیز تم بابا جان سے بات کرو۔ انہیں سمجھاؤ۔ تم تو ان کی بہت لاڈلی ہو، وہ تمہاری کوئی بات نہیں ٹالتے۔" مصطفیٰ کا لہجہ منت بھرا تھا۔ عفیفہ اسے خالی خالی نگاہوں سے تکنے لگی تھی۔

"بتاؤ عفّی! تم بات کرو گی نا بابا جان سے؟" وہ اس کا شانہ جھنجوڑتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"تم فکر مت کرو مصطفیٰ! میں بات کروں گی بابا جان سے۔" عفیفہ نے گہری سانس اندر کھینچتے ہوئے جواب دیا۔

مصطفیٰ مطمئن ہو کر پلٹ گیا تھا۔ یہ اس کی بھول

تھی کہ عفیفہ حیات احمد کا فیصلہ بدلوانے کی قدرت رکھتی ہے۔ وہ اگلی بار گھر آیا تو سب سے پہلے عفیفہ سے ملنے اس کے کمرے میں گیا تھا۔ کچھ پوچھنے کی نوبت ہی نہ آئی تھی۔

"تایا جان میری بھی کوئی بات سننے پر تیار نہیں مصطفیٰ۔" عفیفہ نے اسے بے بسی سے آگاہ کیا تھا۔ وہ مرتضیٰ کے پاس جا پہنچا۔

"میں آپ کو بتا رہا ہوں بھائی! حوریہ کے سوا میں کسی سے شادی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اگر بابا جان اس سے شادی پر راضی نہیں تو آپ کو میرے لیے اسٹینڈ لینا ہوگا۔ حوریہ کے گھر آپ اور بھابھی میرا رشتہ لے کر جائیں گے۔ میں جلد از جلد اس سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔" کسی انہونی کے خوف سے مصطفیٰ جلد از جلد حوریہ کو اپنے نکاح میں لانا چاہتا تھا۔ مرتضیٰ نے بھی پہلے تو اسے عفیفہ کے لیے قائل کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ پھر آخر ہار مان لی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے یار! میں بابا جان کو سمجھانے کی اپنی سی کوشش کرتا ہوں۔" انہوں نے اسے تسلی دی۔

حیات احمد سے یہ بات کرنی قیامت تھی۔ وہ بری طرح آگ بگولہ ہو گئے۔

"بجائے اس کے کہ تم بھائی کو سمجھاتے تم اس کی وکالت کرنے میرے پاس پہنچ گئے۔ میں کیسے اس کی بات مان سکتا ہوں جس نے ایک غیر لڑکی کے ساتھ پیار کا چکر رچا رکھا ہے۔ اس کے عشق میں مبتلا ہو کر باپ سے بات کرنے کی تمیز بھول گیا ہے۔ مجھے دھمکی دے رہا ہے کہ اگر حوریہ کے گھر ہم رشتہ لے کر نہیں گئے تو یہ گھر چھوڑ کر چلا جائے گا۔"

"اگر آپ حوریہ کے گھر میرا رشتہ لے کر نہیں گئے تو میں مرتضیٰ بھائی کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔" مصطفیٰ باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مخاطب ہوا۔

"اگر مرتضیٰ نے یہ کیا تو میں تمہارے ساتھ اسے بھی عاق کر دوں گا۔" انہوں نے سرد لہجے میں باور کروایا۔ مصطفیٰ نے مدد طلب نگاہوں سے بھائی کو دیکھا۔

"عفّی بہت اچھی لڑکی ہے مصطفیٰ! بابا جان کی بات مان لو یار۔" مرتضیٰ کی بات سن کر مصطفیٰ کے چہرے پر استہزائیہ تاثرات ابھر آئے تھے۔ مرتضیٰ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کچھ سمجھانا چاہا تھا مگر مصطفیٰ نے سرد مہری سے بھائی کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"شادی تو میں حوریہ سے ہی کروں گا، چاہے آپ لوگوں کی رضامندی شامل ہو یا نہ ہو۔"

مصطفیٰ کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ کچھ کرنے کی ٹھان چکا ہے۔ ناعمہ انتہائی متوحش ہو کر بھائی کے پاس آئی تھی۔

"یہ گھر میں کیا ہو رہا ہے بھائی۔ آپ نے عفّی سے شادی سے انکار کر دیا ہے۔ آخر کیوں بھائی۔ عفّی سے زیادہ آپ کو دنیا میں کوئی دوسرا نہیں چاہ سکتا۔ بابا کی بات مان لیں۔ عفّی کے لیے ہاں کر دیں۔" ناعمہ نے لجاجت بھرے لہجے میں بھائی کو مخاطب کیا۔

"عفّی مجھے چاہتی ہے؟" مصطفیٰ نے حیران ہو کر خود کلامی کی۔

"وہ آپ سے بہت محبت کرتی ہے بھائی! ایک آپ ہی اس کی چاہت سے واقف نہیں۔ آپ کو دیکھ کر اس کی آنکھیں کیسے جگمگانے لگتی ہیں۔ کاش آپ کبھی ان آنکھوں میں جھانک کر تو دیکھتے۔"

"اوہ تو یعنی یہ بات ہے۔ میں حیران ہو رہا تھا کہ بابا جان عفّی کے نام کی رٹ کیوں لگائے بیٹھے ہیں۔ اسے کوئی بھی اچھا لڑکا مل سکتا ہے۔ اب سمجھ میں آیا کہ بابا حوریہ سے میری شادی کیوں نہیں ہونے دے رہے۔ انہیں بیٹے سے زیادہ بھتیجی عزیز ہے، وہ اسے اس کی چاہت دلوانے کے درپے ہیں چاہے اس کے لیے انہیں میرے خواب اجاڑنے پڑیں اور میں اتنا احمق کہ عفیفہ کو اپنا بہترین دوست جان کر اس سے اپنی ہر بات شیئر کرتا رہا اور بابا سے اپنی بات منوانے کے لیے بھی سب سے پہلے عفّی سے ہی مدد مانگی۔ اس رونے نکتے سے بڑھ کر بیوقوف اور کون ہو گا بھلا۔" وہ استہزائیہ

Famous Urdu Novels
http://famousurdunovels.blogspot.com/

انداز میں ناعمہ سے بولا۔

"ایسے تو مت کہیں بھائی!" مصطفیٰ کی اس درجہ بدگمانی پر ناعمہ کو رونا آنے لگا تھا۔

"جا کر کہہ دو عفیفہ سے میں کوئی کھلونا نہیں ہوں کہ اس کی خوشی کی خاطر اس کی زندگی میں شامل کر دیا جاؤں۔ بابا جان کو بھتیجی یا بیٹے میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا۔" مصطفیٰ تن فن کرتا چلا گیا تھا۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ بابا جان کو منانے کے لیے اب اپنی توانائیاں خرچ نہیں کرے گا۔ اس بار شہر جائے گا تو تب تک پلٹ کر نہ آئے گا جب تک بابا جان اس کی ضد کے آگے گھٹنے نہ ٹیک دیں۔

اس پلان پر عمل درآمد کی نوبت ہی نہ آئی تھی۔

اگلے روز جمعہ تھا وہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے گھر سے باہر نکلا تو چولہوں پر دیگیں چڑھی ہوئی تھیں۔ کوئی انوکھا منظر نہیں تھا۔ بابا جان باقاعدگی سے صدقہ خیرات کرتے تھے لیکن اس کے لیے عموماً جمعرات کا دن مخصوص ہوتا تھا پھر بھی اس نے کوئی خاص دھیان نہ دیا۔ نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد مسجد کے پیش امام نے لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کیا تھا کہ کچھ دیر بعد ملک حیات احمد کی حویلی میں ان کے بیٹے اور بھتیجی کا نکاح پڑھایا جائے گا اور اس خوشی کے موقع پر سب گاؤں والوں کے لیے دعوت عام ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے گاؤں کے سرکردہ لوگ حویلی میں اکٹھے ہو چکے تھے۔ مصطفیٰ اپنے کمرے میں بیٹھا بے بسی سے مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔ باہر لوگوں کا جم غفیر اکٹھا تھا۔ مبارک سلامت کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ مرتضیٰ بھائی اور میمونہ بھابھی بپھرے ہوئے مصطفیٰ کو رام کرنے کی کوشش میں مصروف تھے جب بابا جان کمرے میں داخل ہوئے۔

"اگر آج میری عزت پاؤں تلے روند کر تم جانا چاہو تو جا سکتے ہو لیکن یاد رکھنا پھر جیتے جی میری شکل نہ دیکھ پاؤ گے۔ مجھ سے یا حویلی کے کسی بھی بندے سے تمہارا کوئی تعلق، واسطہ نہ ہوگا۔ میں اخبارات میں اعلان لاتعلقی کے اشتہار چھپواؤں گا اور پھر دیکھوں گا کہ کوئی معزز گھرانہ تمہیں اپنی بیٹی کا رشتہ کیسے دے سکے گا۔" وہ بیٹے کو چیلنج کر رہے تھے۔ مصطفیٰ نے لہو رنگ آنکھیں اٹھا کر باپ کو دیکھا۔

"ٹھیک ہے، آپ نکاح خواں کو بلائیں۔ میں نکاح کے لیے تیار ہوں۔" بابا جان کے لبوں پر مطمئن سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ان کی پلاننگ کامیاب ہوئی تھی۔

مصطفیٰ کو بات مانتے ہی بنی تھی چند لمحوں کے اندر اندر نکاح پڑھا دیا گیا تھا۔ لوگ دولہا سے گلے ملتے ہوئے اسے مبارکباد دے رہے تھے۔ مصطفیٰ میکانکی انداز میں ساری کارروائی نمٹا رہا تھا اور جب کھانا تناول کر کے مہمان رخصت ہو چکے تو مصطفیٰ نے اپنا بیگ کندھے پر ڈالا اور عفیفہ کے کمرے میں جا کر اسے کلائی سے گھسیٹتا ہوا صحن میں لے آیا۔

"کہاں لے کر جا رہے ہو تم عفیفہ کو۔" بابا جان اس کے تیور دیکھ کر غضب ناک ہوئے۔

"میں اپنی بیوی کو اپنے ساتھ لے کر جا رہا ہوں بابا جان۔ اس حویلی اور اس کے مکینوں سے اب میرا یا میری بیوی کا کوئی تعلق نہیں۔ آپ بیٹے کو عاق کرنے کی دھمکی دے رہے تھے مگر آپ نے بیٹے کے ساتھ ساتھ جان سے پیاری بھتیجی کو بھی ہمیشہ کے لیے کھو دیا ہے۔ آپ یہ سوچ کر خوش نہ ہوں کہ آپ بازی جیت چکے ہیں۔ آپ بہت بڑی مات سے دوچار ہوئے ہیں بابا جان۔" وہ زہر خند لہجے میں باپ سے مخاطب ہوا۔

"عفیفہ کہیں نہیں جائے گی۔" وہ دھاڑے تھے۔

"بھولے سے نہ جائیے۔ مجھے طلاق کے تین حرف کہنے میں تین سیکنڈ بھی نہیں لگیں گے۔" وہ پرسکون لہجے میں گویا ہوا۔

عفیفہ نے زخمی نگاہوں سے مصطفیٰ کو دیکھا۔ وہ تو اپنی محبت سے کب کی دست بردار ہو چکی تھی۔ اس نے ہمیشہ دل سے مصطفیٰ کی خوشیوں کی دعا کی تھی اور اب جب غیر متوقع طور پر وہ اس کی زندگی میں شامل ہو گئی تھی تو کس سنگ دلی سے وہ اسے چھوڑنے کی بات کر رہا تھا۔ بے قصور ہوتے ہوئے باپ بیٹے کی انا کی جنگ میں اس کا وجود پس رہا تھا۔

مصطفیٰ کی دھمکی کے بعد حیات احمد کچھ نہ بول پائے تھے۔ مصطفیٰ فاتحانہ نگاہوں سے انہیں دیکھتا عفیفہ کو لے کر چلا گیا تھا۔ اس نے باپ کی بازی ان پر الٹ دی تھی لیکن حقیقت یہی تھی کہ وہ خود بڑی شکست سے دوچار ہوا تھا۔ وہ عفیفہ کو دیکھتا تو اس کا خون کھولنے لگتا۔

وہ اپنی ساری فرسٹریشن اس پر ہی نکالتا تھا۔ شہر میں فوری طور پر اس نے ایک دوست کا اپارٹمنٹ کرائے پر لیا تھا۔ اس کی شادی کی خبر چھپی نہ رہ پائی تھی۔ حوریہ کا ردعمل فطری تھا، وہ اس کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہ تھی۔ عدنان نے بھی اسے سخت سست سنائی تھیں۔ اس کے ماضی میں کیے گئے بلند و بانگ دعووں کو یاد کرواتے ہوئے طنز و تمسخر کا نشانہ بنایا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ وہ مرد ہی کیا جو وعدہ وفا نہ کر سکے۔ جب مصطفیٰ اس کی بہن کے خوابوں کو تعبیر نہ دے سکتا تھا تو اس نے ان آنکھوں میں خوش رنگ خواب سجائے ہی کیوں تھے۔ عدنان کی باتیں سچی تھیں۔ مصطفیٰ شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا تھا۔ یہ غم و غصہ عفیفہ کی ذات پر ہی نکلتا تھا۔

ایک دن روتے ہوئے عفیفہ نے اس سے درخواست کی تھی کہ وہ اسے چھوڑ کر حوریہ سے شادی کر لے۔ مصطفیٰ نے جواب میں اسے زور دار تھپڑ رسید کیا تھا۔ اس نے عفیفہ کو یہ نہ بتایا کہ وہ حوریہ سے آخری ایک ملاقات میں اسے یہ تجویز پیش کر کے اس کے نازک ہاتھوں سے خود بھی تھپڑ کھا چکا ہے۔ محبت میں ناکامی سے زیادہ شدید بے بسی کا احساس مصطفیٰ کو مشتعل رکھتا تھا۔

مرتضیٰ بھائی اس کے دوست سے اس کی رہائش گاہ کا پتا لے کر اس سے ملنے پہنچے تھے۔ وہ چھوٹے بھائی کو پیار محبت سے منانا چاہتے تھے۔ مصطفیٰ اس وقت گھر پر نہ تھا اور اتنے دنوں بعد کسی اپنے کو دیکھ کر عفیفہ کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے تھے۔ مصطفیٰ گھر پہنچا تو وہ مرتضیٰ بھائی کے سامنے بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"میں کہہ کر آیا تھا کہ حویلی اور اس کے مکینوں سے میرا یا میری بیوی کا کوئی تعلق نہیں پھر آپ کیوں آئے ہیں یہاں؟" سخت اجنبی لہجے میں وہ بھائی سے مخاطب تھا۔

"تم غم و غصہ کرنے میں حق بجانب ہو مصطفیٰ! لیکن اس سب میں عفی کا کیا قصور ہے بھلا۔" عفیفہ کا ہچکیوں سے لرزتا وجود دیکھ کر مرتضیٰ سخت مضطرب ہو رہے تھے۔

"میں نے بھی تو بے قصور سزا بھگتی ہے اور بابا جان کی بھتیجی کو میرے ساتھ گزارے گئے ہر پل کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ جا کر بتا دیں انہیں کہ میں نے ان کی لاڈلی کو کس حال میں رکھا ہے اور اگر آئندہ مجھے پتا چلا کہ حویلی والوں میں سے کسی نے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہے تو پھر میں واقعی اسے فارغ کرنے میں دو سیکنڈ بھی نہ لگاؤں گا۔" وہ سفاکی سے مخاطب ہوا۔

"اللہ کا واسطہ ہے مرتضیٰ بھائی! آئندہ مصطفیٰ کی مرضی کے بغیر مجھ سے ملنے نہ آئیے گا۔ اب یہ میری زندگی کا سوال نہیں۔ میری زندگی کے ساتھ ایک اور زندگی جڑ چکی ہے۔"

عفیفہ نے نگاہیں جھکا کر بھرائی ہوئی آواز میں مرتضیٰ کو مخاطب کیا۔ مرتضیٰ اٹھ گئے تھے۔ عفیفہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور مصطفیٰ کے چہرے پر ایک شاکی نگاہ ڈال کر پلٹ گئے۔

انابیہ کی پیدائش کے بعد مصطفیٰ کے رویے میں اتنی تبدیلی ضرور آئی تھی کہ اب وہ حلق پھاڑ کر عفیفہ پر نہ چلاتا تھا۔ اس نے عفیفہ کے ساتھ سرد مہری اور لاتعلقی بھرا رویہ اختیار کر لیا تھا۔ اولاد سے محبت فطری ہے سو وہ خود کو انابیہ سے محبت کرنے سے نہ روک پایا تھا۔ وہ اس کی لاڈلی بیٹی تھی۔

انابیہ سے دو برس چھوٹا سلمان تھا اور سلمان سے تین برس چھوٹا نعمان۔

گھر میں ہر طرح کی مالی آسودگی تھی لیکن بچے ایک غیر فطری ماحول میں پروان چڑھ رہے تھے۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو انتہائی ضرورت کے وقت

http://famousurdunovels.blogspot.com
Famous Urdu Novels

مخاطب کرتے تھے۔ سلمان اور سنعان کم عمر تھے اور لڑکے ہونے کی وجہ سے قدرے لاپرواہ بھی لیکن انابیہ ماں اور باپ کے بیچ فاصلوں کو شدت سے محسوس کرتی تھی' ان کا گھرانہ عجیب طرح کا گھرانہ تھا۔ اس کی سہیلیوں کے برعکس ان کے کوئی ددھیالی یا ننھیالی رشتہ دار موجود نہ تھے۔ وہ ذہن میں کلبلاتے سوال ماں سے پوچھتی تو ماں کے چہرے پر بڑی بے بس سی مسکراہٹ پھیل جاتی۔ ماں کی پانیوں سے لبریز آنکھیں دیکھ کر انابیہ چپ رہ جاتی اور باپ تو یہ سوال سن کر ہی ٹال جاتا تھا۔ بچی کا دھیان بٹانے کے لیے اس کے پاس بہتیری ترکیبیں تھیں' وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی ذہین بچی باپ کو مشکل سے دوچار دیکھ کر خود ہی اپنے سوال سے دستبردار ہو جاتی ہے۔

ماں اور باپ کا کوئی آگا' پیچھا نہ ہونے سے انابیہ کے ذہن نے ایک فرضی نتیجہ اخذ کر لیا تھا۔ دونوں نے گھر والوں کی مرضی کے بغیر لو میرج کی ہوگی' لیکن اگر ایسا ہی تھا تو وہ "لو" کہاں اڑن چھو ہو گیا؟ انابیہ کا ذہن اس نکتے پر آکر الجھ جاتا تھا۔ پھر اتفاق سے عفیفہ کی ڈائری تک اس کی رسائی ہو گئی۔ ذہن میں کلبلاتے سارے سوالوں کا جواب مل گیا تھا' اس روز اسے اپنی ماں پر جی بھر کر ترس آیا تھا۔ اس کی ماں نے ساری عمر اس کے باپ سے محبت کے سوا کچھ نہ کیا تھا۔

اس نے پورے خلوص سے مصطفیٰ اور اس کی من چاہی لڑکی کے ملن کی بھی کوشش کی تھی' لیکن مصطفیٰ نے اس کے ہر عمل کو بدگمانی کی عینک چڑھا کر دیکھا تھا۔ اک عمر ہو گئی تھی اسے مصطفیٰ کی لاتعلقی سہتے سہتے۔ زبان پر اف کا ایک لفظ لائے بغیر وہ مردوں سے بدتر زندگی جیتی چلی آرہی تھی۔ اس کے اپنے اس سے چھوٹ چکے تھے اور جو سب سے بڑھ کر "اپنا" تھا' وہ اجنبیت اور لاتعلقی کا لبادہ اوڑھے رکھتا تھا۔ انابیہ نے ماں کی ڈائری چپکے سے باپ کی رائٹنگ ٹیبل پر دھری کتابوں میں رکھ دی تھی۔ اگر اس کے باپ کے سینے میں دل نام کی کوئی چیز موجود تھی تو یہ سب پڑھ کر اس کے دل نے پسیجنا ہی تھا۔

انابیہ کا انتظار انتظار ہی رہا۔ مصطفیٰ کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی' وہ باپ کے کٹھور پن پر اس سے کھنچی کھنچی رہنے لگی تھی۔ مصطفیٰ بیٹی کی خفگی سے لاعلم نہیں تھا۔ اس کی بھولی بیٹی یہ سمجھ رہی تھی کہ ڈائری کے چند ورق پڑھنے سے ان کی زندگی کے تمام مسئلے حل ہو جائیں گے' وہ اسے کیسے بتاتا کہ وہ اس کی ماں کی زندگی کے ہر ورق سے بہت اچھی طرح واقف ہے۔ بدگمانی کی دھند تو چند دنوں میں ہی چھٹ گئی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ جو ہوا اس میں عفیفہ کا کوئی قصور نہیں' لیکن اس کا چہرہ دیکھ کر اس کا احساس شکست تازہ ہو جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ناروا سلوک پر ضمیر ملامت کرتا تو وہ ضمیر کو شٹ اپ کال کرنے کے ساتھ ساتھ عفیفہ سے اپنا رویہ مزید کھردرا کر لیتا۔

قول و فعل کی یہ جنگ برسوں سے اس کے اندر جاری تھی۔ غصہ اب ندامت اور شرمندگی میں ڈھل چکا تھا' لیکن اب بھی اسے عفیفہ پر شدید ترین غصہ آتا تھا۔ وہ اس کی زیادتیوں کو چپ چاپ برداشت کیوں کر رہی تھی۔ اس کی چپ اطاعت اور فرمانبرداری نے مصطفیٰ کی زندگی کو بے کیف بنا رکھا تھا۔ وہ اب اس کے ساتھ نارمل زندگی جینا چاہتا تھا' مگر انا آڑے آجاتی تھی پھر اسے مزید پچھتاووں میں مبتلا کرنے کے لیے سر راہ حوریہ ٹکرا گئی۔ برسوں پہلے ان لوگوں کی فیملی امریکا شفٹ ہو گئی تھی۔ مصطفیٰ کا ان سے کوئی رابطہ نہ تھا۔ اتنے سالوں بعد وہ حوریہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا' وہ اب بھی اتنی ہی خوب صورت اور نرم و نازک تھی۔ حیران تو وہ بھی ہوئی تھی مصطفیٰ کو دیکھ کر۔

"یہ تم نے کیا حال بنا لیا ہے مصطفیٰ! کتنے بوڑھے لگنے لگے ہو۔" اس نے بہت اپنائیت اور بے تکلفی سے استفسار کیا تھا۔

"تم سے بچھڑنے کے آفٹر ایفکٹس ہیں یہ۔" وہ کہے بنا نہ رہ پایا تھا۔ حوریہ جواباً کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"مذاق کی عادت نہیں گئی تمہاری۔"

"یہ مذاق نہیں ہے حوریہ۔" وہ تھکے تھکے لہجے میں گویا ہوا تو حوریہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

"تمہاری بیوی؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"یوں سمجھ لو۔ ایک چھت تلے دو اجنبی رہتے ہیں۔ میں اسے کبھی وہ حیثیت اور مقام نہ دے سکا جو تمہیں دینا چاہتا تھا۔" وہ شاید حوریہ کو یہ باور کروانا چاہ رہا تھا کہ ماضی میں وہ اس کے ساتھ کتنا مخلص تھا اور جس بے وفائی کا طعنہ مار کر حوریہ اس سے قطع تعلق کر گئی تھی' وہ الزام بے جا تھا۔

"دیکھو مصطفیٰ! تمہارا اپنی بیوی کے ساتھ جو بھی ایشو ہے' بیچ میں مجھے مت گھسیٹو۔" اس نے مصطفیٰ کو سنجیدگی سے ٹوکا تھا۔

"میں نے تمہیں صرف حقیقت بتائی ہے۔" وہ [illegible]

"تم حقیقت کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ ہم دونوں کے بیچ کوئی بھرپور انتہا والی محبت نہیں تھی مصطفیٰ۔ وقتی اٹریکشن تھی جو ہو گئی تھی اور شاید کسی حد تک انڈر اسٹینڈنگ بھی تھی۔ ہماری [illegible] کی شادی ہو جاتی تو شاید ہم آج [illegible] کامیاب ازدواجی زندگی گزار رہے ہوتے اور وقت گزرنے کے ساتھ محبت مزید مستحکم ہو جاتی' لیکن پھر وہی بات [illegible] ہماری محبت کوئی آفاقی یا لازوال ٹائپ کی محبت [illegible] وصل کی محتاج تھی۔ جب ایک دوسرے کو نہ [illegible] ایک دوسرے کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو آہستہ [illegible] کا جذبہ بھی سرد پڑ گیا۔ ہاں میں مانتی ہوں کہ [illegible] شروع میں تم سے بچھڑ کر میں بہت ڈپریس رہتی تھی [illegible] لائف ہے' لیکن پھر فراز میری زندگی میں [illegible] اس نے نہ صرف مجھ سے محبت کی بلکہ پورے عزت و احترام سے مجھے اپنی زندگی کا حصہ بنایا۔ یقین کرو میں [illegible] کے ساتھ اتنی خوش گوار زندگی بسر کر رہی ہوں کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اگر مجھے کبھی تمہارا خیال آتا بھی ہے تو ذہن میں پہلی سوچ یہی ابھرتی ہے کہ اللہ نے تمہیں میرے مقدر کا حصہ اسی لیے نہ بنایا تھا کہ مجھے فراز کا ساتھ نصیب ہونا تھا اور پھر میں بے ساختہ اللہ کا شکر بجا لاتی ہوں۔ اس کی مصلحتیں سمجھنا ہم انسانوں کے بس کی بات کہاں۔"

حوریہ اس کے وجود کو پچھتاووں کی بھٹی میں جھونک کر چلتی بنی تھی۔ اللہ کی جس مصلحت کو حوریہ اپنی خوش نصیبی گردان رہی تھی وہ فہم و ادراک اسے کیوں نصیب نہ ہو سکا۔ اللہ نے اسے بھی ایک نیک' باحیا' پاک باز اور خوب صورت بیوی کا ساتھ دیا تھا۔ خوب صورت اور سلجھے ہوئے بچے جن کی تربیت کا کریڈٹ یقیناً ان کی ماں کو جاتا تھا۔ مالی آسودگی' رزق کی فراوانی' معاشرے میں قابل عزت مقام' شکر کرنے کا کوئی ایک پہلو تھا؟ پھر اتنے برسوں سے اپنے خونی رشتہ داروں سے خود تو قطع تعلق کیا ہوا تھا۔ بیوی کو بھی اس کے اپنوں سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ بابا جان نے زور زبردستی سے اس کی زندگی کا فیصلہ کر دیا تھا تو ایک حد تک ناراضی دکھا کر اسے اپنی ہٹ دھرمی کا خاتمہ کر دینا چاہیے تھا۔ ناصرہ کی شادی کے موقع پر وہ بڑے ہونے کے باوجود جھک گئے تھے۔ اس کی منت کی تھی کہ وہ خود ساختہ ناراضی ختم کر کے بہن کی ڈولی کو کندھا دینے آجائے۔ اس نے بنا جواب دیے فون کٹ دیا تھا۔ انہوں نے دوبارہ کال کی۔ اس بار فون عفیفہ نے اٹھایا تھا۔

"اگر تمہیں شادی میں جانے کا زیادہ شوق ہو رہا ہے تو اپنے تایا جان سے کہو کہ تمہیں آکر لے جائیں' لیکن پھر میرے گھر کے دروازے تمہارے لیے ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں گے۔" وہ اتنا تیز بولا تھا کہ فون کے دوسری طرف اس کی آواز سن لی گئی اور پھر دوسری طرف سے فون رکھ دیا گیا۔ اس روز کے بعد حویلی والوں کی طرف سے کوئی رابطہ نہ ہوا تھا۔ وہ اتنا کٹھور کہ [illegible] باپ' بھائی کی خبر نہ لی۔ لیکن اس کے [illegible] ملنے کی دیر تھی۔ وہ ایک کال پر دوڑے آئے تھے [illegible] غلطیوں کی معافی مانگنا چاہ رہا تھا

Famous Urdu Novels
http://famousurdunovels.blogspot.com/

اور وہ لوگ اسے ماضی دوہرانے کی اجازت ہی نہ دے رہے تھے۔ اب واپسی کا سفر تھا اور گاڑی کی آرام دہ سیٹ سے پشت ٹکائے وہ مسلسل ماضی میں ہی گم تھا۔ جب حویلی کے پھاٹک کے آگے گاڑی جا رکی تو جیسے ماضی کے خیالات کی رو بھی منقطع ہو گئی۔ تکلیف دہ ماضی بیت چکا تھا۔ خوشگوار حال منتظر تھا۔

☆ ☆ ☆

حویلی آنے سے پہلے انابیہ، سلمان اور سنعان جو تھوڑی بہت جھجک محسوس کر رہے تھے، اب اس کا یکسر خاتمہ ہو چکا تھا۔ دادا، تایا، تائی اور پھوپھو ان کے واری صدقے جا رہے تھے۔ انھیں چمٹا چمٹا کر پیار کر رہے تھے، لیکن دل کی پیاس بجھنے کا نام ہی نہ لے رہی تھی۔

"چلو بھئی کزن! تمہاری تو بچپن کی خواہش پوری ہو گئی اللہ تعالیٰ نے تمہیں بیٹھے بٹھائے تمہاری ہم عمر بہن عطا کر دی۔ اب مجھے اپنی سہیلی کے رتبے سے ہٹا کر اس سے پکی دوستی گانٹھ لو۔" شہریار سے چھوٹے شہرام نے علیزہ کو مخاطب کیا۔

شہریار اور شہرام مرتضیٰ کے بیٹے تھے جبکہ ناعمہ کے تین بچے تھے۔ سب سے بڑی علیزہ پھر موحد اور صمد۔ علیزہ ہمیشہ خاندان میں کسی لڑکی کے نہ ہونے کی وجہ سے اللہ سے شکوے کے موڈ میں رہتی تھی اور اس بات پر ناعمہ سے ڈانٹ بھی کھاتی تھی۔ شہرام سے اس کی بہت دوستی تھی اور شہرام نے رضاکارانہ طور پر اسے بطور سہیلی اپنی خدمات پیش کر رکھی تھیں۔ اب بھی وہ ہنستے ہوئے اسی حوالے سے علیزہ کو چھیڑ رہا تھا۔

"بالکل بالکل اب مجھے چھ فٹ کے "سہیلے" نما سہیلی کی ضرورت بھی نہیں۔ مجھے میری حقیقی ہم جولی مل گئی ہے۔" علیزہ مزے سے بولی تھی۔

"پھوپھو آپ کی لاڈلی سے زیادہ طوطا چشم بندہ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔" اس نے ناعمہ سے شکوہ کیا۔

"میں بندہ نہیں، بندی ہوں جناب۔ اللہ کی نیک بندی۔"

علیزہ ترنت بولی تھی۔ انابیہ مسکراتے ہوئے ان کی نوک جھونک سن رہی تھی۔ زندگی کے ان رنگوں سے اس کی قطعی آشنائی نہ تھی، لیکن یہ سب اسے بہت دلچسپ اور اچھوتا لگ رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے اپنے ماں باپ کے چہروں پر اتنا سکون اور طمانیت محسوس کی تھی۔ ناعمہ پھوپھو اپنا گھربار چھوڑ کر دو دن سے حویلی میں ہی مقیم تھیں۔ علیزہ کی انابیہ سے واقعی بہت اچھی دوستی ہو چکی تھی۔ سلمان اور سنعان بھی ہر وقت موحد اور صمد کے ساتھ کھیل کود میں مصروف رہتے، شفیق اور پرخلوص سی تائی بھی انابیہ کو بہت اچھی لگی تھیں۔ انھیں کھلانے پینے میں مصطفیٰ اور عفیفہ کی پسند ناپسند کا خیال تھا۔ مصطفیٰ کے لیے پرہیزی کھانا بنانا مجبوری تھی، لیکن وہ عفیفہ اور بچوں کے لیے کھانے کا اہتمام کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑتی تھیں پھر بھی ان کا دل مطمئن نہ ہوتا۔

"کوفتوں کے لیے اتنا سرخ قیمہ منگوایا تھا میں نے اور تم نے منع کر دیا۔" میمونہ کو بھرے دسترخوان پر کوفتوں کی کمی کھلی تھی۔

"اس ہرے مسالے کے چکن، گاجر چینی اور فروٹ ٹرائفل کے بعد کوفتوں کی گنجائش کہاں بچتی تھی بھابھی!" عفیفہ مسکرائی تھیں۔

"دراصل چچی جان! آپ شادی کے بعد پہلی بار میکے آئی ہیں نا اسی لیے امی اتنا اہتمام کر رہی ہیں۔" شہرام نے مسکرا کر عفیفہ کو مخاطب کیا۔ انابیہ کو اتنی زور سے ہنسی آئی تھی کہ اسے اچھو لگ گیا۔

"شہرام! یار کھانے کے ٹائم تو پھلجھڑیاں چھوڑنے سے گریز کیا کرو۔" شہریار نے پانی کا گلاس بھر کر انابیہ کو دیا، ساتھ ہی شہرام کو ٹوکا تھا۔ وہ سوری بھائی کہہ کر خاموش ہو گیا۔ شہرام انابیہ کے عین سامنے بیٹھا تھا۔ انابیہ نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی بھوری آنکھوں میں اب بھی شرارت مچل رہی تھی اور یقیناً کوئی اور ہنستا مسکراتا جملہ اس کے ہونٹوں پر بھی مچل

Famous Urdu Novels
http://famousurdunovels.blogspot.com/

رہا ہو گا لیکن وہ خلاف توقع خاموش ہی رہا۔

تایا کے بچوں میں اتابیہ کا پہلا تعارف شہریار سے ہوا تھا۔ مصطفیٰ کی طبیعت خرابی کا سن کر باپ اور دادا کے ساتھ وہ ہی شہر پہنچا تھا۔ اتابیہ کے دل میں ہمیشہ سے ہی یہ ارمان رہا تھا کہ کاش اس کا کوئی بڑا بھائی ہوتا۔ اس نے شہریار کو فوراً ہی بڑے بھائی کی حیثیت سے قبول کر لیا تھا۔ وہ بھی اس کا اپنی بہنوں کی طرح ہی خیال رکھ رہا تھا۔

حویلی پہنچ کر اندازہ ہوا کہ بس [illegible] شہریار بھائی کا چھوٹا بھائی تو ان سے بھی زیادہ منہ زور، چنچل اور شوخ مزاج ہے۔ شہریار بھائی حویلی میں تایا جان کے قائم مقام کی حیثیت رکھتے تھے۔ زمینوں کا سارا انتظام و انصرام انہوں نے سنبھال رکھا تھا۔ شہرام بڑے بھائی کا خاصا لحاظ اور ادب کرتا تھا۔ بلکہ شہرام ہی کیا شہریار کے سامنے تو علیزہ بھی بہت ادب اور تمیز سے رہتی تھی۔ مزے سے بھرپور چند دن گاؤں میں گزار کر وہ واپس آ گئے تھے لیکن اس بار دادا جان بھی ان کے ہمراہ تھے۔ یہ اتابیہ کی فرمائش تھی جس کو حیات احمد رد نہ کر سکے۔ شہرام نے البتہ خوب شور مچایا۔

"یہ فاؤل ہے اتابیہ بی بی! حویلی کی سب چیزوں پر آپ نے پکا قبضہ جما لیا۔ میری اکلوتی بہن بھی مجھ سے چھین لی اب یہ ہر وقت آپ سے راز و نیاز میں مشغول رہتی ہے۔ میرے بڑے بھائی جو ہر وقت میرے تو کان کھینچنے کے درپے ہوتے ہیں۔ آپ کے اسکی وڈے بھائی بن گئے ہیں۔ امی ابو وہ جو میں گھنٹے آپ کے واری صدقے جاتے رہتے ہیں۔ باقی بچ گئے تھے دادا' انہیں آپ ساتھ لیے جا رہی ہیں۔" شہرام خاصی سنجیدگی سے اس سے لڑنے آیا تھا۔ اتابیہ کا چہرہ فق ہو گیا۔ فوری طور پر شہرام کے شکوؤں کا اسے کوئی جواب نہ سوجھا تھا۔

"شہرام کے بچے پریشان کر کے رکھ دیا نا میری بہن کو۔" علیزہ نے اتابیہ کی بوکھلائی شکل دیکھ کر شہرام کو ٹوکا۔

"ہو گئی یعنی کہ یہاں بھی بہناپا گانٹھ لیا۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ ابھی آپ دونوں صرف پکی سہیلیاں ہی بنی ہیں۔ میرے خیال میں اس حویلی میں صرف میں ہی ہوں جو ابھی تک آپ کی نظر عنایت سے بچا ہوا ہوں' لیکن میں آپ کو بتا دوں آپ کو بہن بنانے کا میرا قطعاً کوئی ارادہ نہیں۔" وہ اس پر نگاہیں جماتے ہوئے بظاہر سنجیدگی سے بولا تھا' لیکن آنکھوں میں شرارت موجود تھی۔

"پندرہ بیس دن تک دادا جان واپس آ جائیں گے۔"

اتابیہ بوکھلا کر فقط اتنا ہی کہہ پائی تھی۔ شہرام کو ہنسی روکنا دوبھر ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اتنے برسوں سے دور رہنے کے بعد اب الگ ہونے کا [illegible] مصطفیٰ پندرہ بیس دن بعد بچوں کو لے کر [illegible] جاتے۔ وہاں سے بھی کسی نہ کسی کا آنا جانا لگا رہتا۔ [illegible] ناعمہ پھوپھو اور ثاقب پھوپھا مصطفیٰ ہاؤس [illegible] تھے۔

ثاقب پھوپھا کا ارادہ تھا کہ گاؤں کی [illegible] زمینیں فروخت کر کے شہر میں مناسب قیمت کا [illegible] خرید لیں۔ بچوں کی تعلیم کی وجہ سے وہ لوگ شہر شفٹ ہونا چاہ رہے تھے۔ علیزہ نے گاؤں کے اسکول سے میٹرک کیا تھا پھر قریبی قصبے کے ہائر سیکنڈری اسکول سے ایف اے' لیکن اب بی اے پرائیویٹ ہی کر رہا تھا کہ ناعمہ پھوپھو کا اسے ہاسٹل بھیجنے کو دل نہ مانتا تھا۔ اب وہ ماسٹرز کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ صمد اور موحد کی بہتر اسکولنگ کا بھی مسئلہ درپیش تھا۔ انہوں نے اس مسئلے کا یہی حل نکالا کہ گاؤں چھوڑ کر عارضی طور پر شہر سکونت اختیار کر لی جائے۔

مصطفیٰ اور عفیفہ بضد تھے کہ ناعمہ کی فیملی ان ہی کے ساتھ رہائش اختیار کرے' لیکن ثاقب وضع دار شخص تھے انہوں نے سلیقے سے معذرت کر لی تھی' لیکن یہ ضرور کہا تھا کہ مصطفیٰ اپنے علاقے میں ہی ان کے لیے کوئی مناسب سا گھر دیکھ لیں۔ اتابیہ

پھوپھو کی فیملی کے اپنے پاس آنے پر بہت پرجوش اور خوش ہوئی تھی۔ کچھ ہی عرصے میں اس کی اور علیزہ کی ایسی دوستی ہو گئی تھی جیسے وہ بچپن سے ساتھ پل بڑھ کر جوان ہوئی ہیں۔

☼ ☼ ☼

بابا جان نے مصطفیٰ کو کسی اہم بات پر مشورے کی غرض سے بلوایا تھا۔ عفیفہ اور بچوں کو لے کر وہ حویلی پہنچ گئے۔ خلاف توقع علیزہ ان لوگوں کی آمد کی خبر پا کر بھی ملنے نہ پہنچی تھی۔ اس نے ناعمہ پھوپھو سے استفسار کیا تو انہوں نے اس کی طبیعت خرابی کا بتایا تھا۔ اتابیہ فوراً اس سے ملنے جا پہنچی۔ پھوپھو کا گھر بھی قریب ہی تھا۔

"کیا ہوا ہے علیزہ! چہرہ اتنا کیوں اترا ہوا ہے کیا طبیعت زیادہ خراب ہے۔"

اتابیہ اسے دیکھ کر صحیح معنوں میں پریشان ہوئی تھی۔ ابھی [illegible] دن پہلے تو وہ ناعمہ پھوپھو اور ثاقب پھوپھا کے ہمراہ شہر آئی تھی جب بالکل ٹھیک ٹھاک تھی اور اب اس کی شکل دیکھ کر لگ رہا تھا جیسے عرصے سے بیمار ہو۔ رنگت زرد ہو رہی تھی آنکھوں کے گرد حلقے بھی نمایاں تھے۔

"بس یار! بخار ہو گیا تھا۔" علیزہ نے [illegible] سے جواب دیا۔

"بخار میں تو کسی کی اتنی سی شکل نہیں نکلتی" اتابیہ [illegible] ہوئی۔

"میرے ساتھ [illegible] ہو جاتا ہے یار! یا تو کئی کئی سال معمولی سا نزلہ تک نہیں ہوتا اور ایک بار بیمار پڑ جاؤں تو تندرست ہونے میں [illegible] لگ جاتا ہے۔ دوائیاں کھا کھا کر منہ کا ذائقہ خراب ہے [illegible] راتوں کو نیند نہیں آتی طبیعت [illegible] بس اسی لیے تمہیں ڈھیلی ڈھیلی لگ رہی ہوں۔" علیزہ نے اس بار تفصیلی جواب دے کر [illegible] کرنا چاہا۔

"میں بابا سے کہتی ہوں وہ آ کر تمہارا چیک اپ کریں۔ پتا نہیں یہاں کس ڈاکٹر سے علاج کروا رہی ہو۔" اتابیہ بولی تھی۔

"ماموں کو تکلیف مت دینا۔ میں کل خود آ جاؤں گی۔ چیک اپ بھی کروا لوں گی ماموں سے اور اب تم میری فکر چھوڑو۔ یہ بتاؤ' کتنے دن کے لیے آئے ہو۔ واپسی کب کی ہے؟" اس نے پوچھا تھا۔

"پرسوں صبح صبح نکل لیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ کل کا دن تو ہے نا۔ کل میں صبح آ جاؤں گی اور شام تک حویلی ہی رکوں گی اور ہاں شہرام آ گیا یا ابھی نہیں پہنچا؟"

علیزہ کو جیسے اچانک یاد آیا تو پوچھ بیٹھی۔ شہرام کی انجینئرنگ مکمل ہو چکی تھی اور وہ پچھلے تین ماہ سے لاہور میں جاب کر رہا تھا۔ اب اتابیہ کا اس سے حویلی میں سامنا کم ہی ہوتا تھا اور وہ اس بات پر شکر بھی مناتی تھی۔ اتابیہ جانے کیوں اس شخص کی بھوری شرارتی آنکھوں سے گھبرا سی جاتی تھی۔

"یعنی اس ویک اینڈ پر موصوف نے بھی گاؤں آنا ہے۔" اتابیہ نے علیزہ کا سوال سن کر برا سا منہ بنایا تھا۔

"اس کا مطلب ہے نہیں پہنچا۔" علیزہ ہنس پڑی تھی۔

"ویسے مجھے تو لگتا ہی نہیں کہ شہرام' شہریار بھائی کا بھائی ہے شہریار بھائی کتنے سوبر' ڈیسنٹ اور میچور پرسنیلٹی کے مالک ہیں۔ ہر طرح کی ذمہ داری بھی شہریار بھائی کے سر پر ہے' فزکس میں ماسٹرز کرنے کے باوجود زمینیں سنبھال رہے ہیں۔ شہرام کو دیکھ کر تو لگتا ہی نہیں کہ اس میں بھی کسی قسم کا احساس ذمہ داری پایا جاتا ہے۔ بس وہ تو باتیں بنانے کا ماہر ہے۔" اتابیہ نے دونوں بھائیوں کا تقابل کیا تو علیزہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شہریار بھائی جیسا شاندار شخص کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ تم نے ان کی جو خوبیاں گنوائی ہیں' ان میں چار پانچ خوبیاں مزید بھی شامل کی جا سکتی ہیں' لیکن یار! شہرام بھی کسی سے کم تو نہیں۔

Famous Urdu Novels
http://famousurdunovels.blogspot.com/

ذرا اس کا تعلیمی ریکارڈ اٹھا کر دیکھو۔ اتنے ذہین اور قابل انجینئر کو کہہ رہی ہو کہ وہ صرف باتیں بنانے کا ماہر ہے۔ وہ اگر بن لے تو تمہیں جتنا سنائے گا، تمہیں اس کا اندازہ ہی نہیں۔"

علیزہ مسکراتے ہوئے اسے ڈرا رہی تھی۔ انابیہ ہنس پڑی تھی۔

☆☆☆

رات کھانے کے بعد حیات احمد نے مصطفیٰ، عفیفہ اور انابیہ کو اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔ کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد وہ اصل موضوع پر آگئے تھے۔

"تمہیں یاد ہے مصطفیٰ! برسوں پہلے اسی کمرے میں ایک خاص بات کرنے کے لیے میں نے تمہیں اپنے پاس بلوایا تھا۔" بابا جان مصطفیٰ سے مخاطب تھے۔ وہ خاموشی سے سر جھکا کر رہ گئے۔

"جب میں تمہاری زندگی سے متعلق اہم فیصلہ کرنے جا رہا تھا، لیکن میں نے اس بارے میں تم سے مشاورت کی ضرورت تک محسوس نہ کی اور تمہیں سیدھے سیدھے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ اس سنگین غلطی کا خمیازہ ہمیں برسوں بھگتنا پڑا۔ اب میں ماضی والی غلطی دہرانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس لیے جو بات میں اب کرنے لگا ہوں، اسے میرا فیصلہ نہ سمجھو۔ فیصلہ تم لوگوں نے ہی کرنا ہے۔"

"بابا جان! آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔ کھل کر کہیں نا۔" مصطفیٰ نے حیرانی سے باپ کو مخاطب کیا۔ حیات احمد مسکرائے تھے۔

"مرتضیٰ اور میمونہ شہرام کے لیے انابیہ کا ہاتھ مانگ رہے ہیں۔ بولو کیا کہتے ہو۔ یہ سوچ کر اقرار نہ کرنا کہ انکار سے بھائی، بھاوج کے دل کو ٹھیس پہنچے گی۔ مرتضیٰ نے کہہ دیا ہے کہ تمہارا ہر فیصلہ اسے خوش دلی سے قبول ہوگا۔" حیات احمد رسانیت بھرے لہجے میں مخاطب ہوئے۔ مصطفیٰ اور عفیفہ نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ دونوں کی آنکھوں میں خوشی نمی بن کر چمکنے لگی تھی۔

"مرتضیٰ بھائی نے یہ سوچا بھی کیسے کہ ہمارا جواب انکار میں ہو سکتا ہے۔ انابیہ کے لیے شہرام سے بہتر انتخاب اور کیا ہو سکتا ہے بابا جان۔" مصطفیٰ نے سوچنے کے لیے ایک منٹ بھی نہ لیا تھا۔ عفیفہ نے بھی گردن ہلا کر ان کی تائید کی۔

"غلطی مت کرو مصطفیٰ! جو میں نے کی تھی۔" بابا جان مسکرائے تھے۔ مصطفیٰ نے نا سمجھی سے انہیں دیکھا۔

"انابیہ کو میں نے اسی لیے بلوایا ہے تاکہ اس کی رائے اور مرضی بھی جان سکوں۔ اپنی زندگی کے متعلق ہر طرح کا فیصلہ کرنے کا اختیار انابیہ کے پاس ہے۔ ہاں بیٹا! بغیر شرمائے تم مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کرو۔ کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ سوچنے کے لیے وقت لینا چاہتی ہو تو لے لو۔ اپنے ماں باپ کی رائے کو ایک طرف رکھتے ہوئے اپنی دلی آمادگی کو مد نظر رکھو اور پھر کوئی فیصلہ کرو۔" حیات احمد انابیہ سے پیار سے مخاطب ہوئے۔ انابیہ کیا کہتی۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ دادا جان نے یہ بات کرنے کے لیے بلوایا ہے۔

"کیا آپ نے شہرام سے اس کی مرضی پوچھی ہے؟" کچھ لمحوں کے توقف کے بعد انابیہ نے ذرا جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"دیکھ لیا مصطفیٰ! تم سے زیادہ عقل مند میری پوتی ہے۔" حیات احمد خوش ہوتے ہوئے بولے۔

مصطفیٰ دھیرے سے ہنس پڑے تھے۔ دل میں ایک بار پھر احساس ندامت جاگا تھا۔ یہ ان کا ماضی تھا جس سے خائف ہو کر باپ نے اتنی لمبی تمہید باندھی تھی اور بیٹی کا ذہن بھی ان ہی خطوط پر سوچ رہا تھا۔

"اس رشتے میں مرتضیٰ اور میمونہ کے ساتھ ساتھ شہرام کی پسندیدگی کا بھی مکمل دخل ہے بیٹا۔ تم ہر طرح کا خدشہ ذہن سے جھٹک ڈالو۔ تمہیں صرف اپنے دل سے پوچھ کر اپنی مرضی معلوم کرنی ہے۔" حیات احمد شگفتہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولے تھے۔ انابیہ کے گالوں پر حیا کی لالی پھیلی تھی۔

"آپ لوگ جو بھی فیصلہ کریں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"جیتی رہو۔ خوش رہو۔" حیات احمد بے پناہ خوش ہو گئے تھے۔ "پھر مرتضیٰ اور میمونہ کو خوش خبری سنا دوں کہ شہریار کے ساتھ ساتھ شہرام کے سر پر بھی سہرا باندھنے کی تیاری کریں۔" وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"تو شہریار کا رشتہ اوکے ہو گیا۔ مجھے مرتضیٰ بھائی تو کچھ متذبذب لگ رہے تھے۔" مصطفیٰ نے بابا جان سے استفسار کیا تھا۔ انابیہ نے حیرت سے انہیں دیکھا، اس کے تو علم میں ہی نہ تھا کہ شہریار بھائی کا رشتہ بھی کہیں طے ہونے جا رہا ہے۔

"ہاں مرتضیٰ کچھ ہچکچا رہا تھا، لیکن میں اسے وہ غلطی نہیں دہرانے دوں گا جو ماضی میں مجھ سے سرزد ہوئی۔" حیات احمد ٹھوس لہجے میں بولے تھے۔ مصطفیٰ ایک بار پھر شرمندہ ہو گئے تھے۔

"شہریار میرا بہت سمجھ دار اور فرماں بردار پوتا ہے۔ چھوٹی عمر سے ہی اس نے اپنے کندھوں پر بھاری ذمہ داریاں اٹھا رکھی ہیں۔ زمینوں کا انتظام و انصرام سنبھالنا اکیلے مرتضیٰ کے بس کی بات نہیں۔ میں تو عرصہ ہوا اب یہ سب کچھ چھوڑ چکا ہوں۔ شہریار چاہتا تو مکمل طور پر اپنی مرضی کی فیلڈ چن لیتا، لیکن اس نے تعلیم کے ساتھ ساتھ بھی باپ کا بھرپور ہاتھ بٹایا۔ شوق کی خاطر ایم بی اے کیا، لیکن عملی طور پر تو وہ زمین دار ہی ہے نا۔ وہ خاندان کے مفاد میں اپنی خواہش سے دستبردار ہو گیا حالانکہ اسے شوق تھا کہ وہ ڈاکٹریٹ کرتا، اس کا جنون تھا۔ اسے تو اسکالر شپ بھی مل رہا تھا، لیکن اس نے آگے پڑھائی جاری نہ رکھی۔ جو لڑکا خاندان کے لیے اپنی خواہش چھوڑ سکتا ہے تو ہمیں بھی فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے اس کی ایک جائز خواہش کو پورا کرنے میں تعاون کرنا چاہیے۔ حالانکہ مرتضیٰ اور میمونہ اس کے لیے کچھ اور سوچے بیٹھے تھے، لیکن میں نے سمجھایا تو بات ان کی عقل میں سما ہی گئی۔" حیات احمد شگفتہ انداز میں مسکرائے تھے۔

"میمونہ بھابھی نے مجھے بیٹی کی تصویر دکھائی ہے۔ مجھے بھی بچی بہت پسند آئی ہے۔ پھر اصل میں جب شہریار کی پسند ہے تو ہم سب کو بھی خوشی خوشی اس کی پسند کو اپنا لینا چاہیے۔" عفیفہ نے سسر کی بات کی تائید کی۔

انابیہ کے لیے آج کا دن دہرے انکشاف کا دن تھا۔ شہریار بھائی اپنی کلاس فیلو میں انٹرسٹڈ تھے، ان کا وہاں رشتہ طے ہونے جا رہا تھا اور شہرام... اس کا تصور کرکے ہی انابیہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ دادا جان نے بتایا تھا کہ اس رشتے میں شہرام کی پسندیدگی کا بھی پورا پورا عمل دخل ہے اور ان کی بات سن کر وہ بری طرح شرما گئی تھی۔

آج کی رات کتنی انوکھی تھی۔ وہ بستر پر کروٹیں بدلے جا رہی تھی، مگر نیند روٹھی ہوئی تھی۔ جیسے ہی آنکھیں بند کرتی، جھٹ سے شہرام کی بھوری آنکھیں ذہن کے پردے پر مسکرانے لگتیں۔ اپنے دل کی یہ کیفیت انابیہ کے لیے خود بھی حیران کن تھی۔ جب دادا جان نے اس کے لیے شہرام کا رشتہ پیش کیا تو وہ شدید ترین حیرت سے دوچار ہوئی تھی، لیکن وہ خوش گوار حیرت تھی۔ دل میں ایک لمحے کے لیے بھی شہرام کے لیے کوئی ناپسندیدگی نہ ابھری تھی۔ اس کا یہی مطلب نکلتا تھا کہ دل کے نہاں گوشوں میں پہلے ہی اس کے لیے پسندیدگی موجود تھی۔ انابیہ سوچے جا رہی تھی اور وہی مسکان لبوں پر پھیلتی جا رہی تھی۔

رات کا دوسرا پہر بھی گزرنے کو تھا، مگر نیند ہنوز آنکھوں سے دور تھی۔ پھر دل میں چائے کی طلب جاگی تھی۔ وہ دبے پاؤں کچن کی طرف آئی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ رات کے اس پہر بھی کوئی باورچی خانے میں موجود ہوگا۔ وہ شہرام تھا جو فریج کھنگالنے میں مصروف تھا۔ انابیہ نے واپس پلٹنا چاہا، مگر قدموں کی آہٹ پر شہرام سر اٹھا چکا تھا۔

"ایسے ڈر رہی تھیں انابیہ بی بی، جیسے کچن میں کوئی بھوت وغیرہ دیکھ لیا ہو۔" وہ مسکرایا تھا۔

http://famousurdunovels.blogspot.com/

"میں وہ نہیں تو۔ میں تو چائے پینے آئی تھی۔" اس نے ہکلاتے ہوئے وضاحت دی۔

"تو پی لیجیے۔ کس نے روکا ہے۔"

"نہیں۔ کوئی خاص طلب نہیں۔ صبح پی لوں گی۔" اس کے بوکھلائے ہوئے انداز پر شہرام کو ہنسی روکنا دوبھر ہو گیا۔

"صبح تو سب ہی پئیں گے بھی' لیکن آپ کا دل تو اس وقت کر رہا ہے۔ جب ہی تو رات کے اس پہر آپ باورچی خانے کی طرف نکلی ہیں۔"

"آپ بھی تو رات کے اس پہر باورچی خانے میں موجود ہیں۔" انابیہ نے بھی ذرا خفا ہو کر جتایا تھا۔

"بات تو آپ کی سولہ آنے سچی ہے' لیکن قصہ یوں ہے کہ میں لاہور سے رات گیارہ بجے گھر پہنچا۔ امی نے کھانے کا پوچھا' مگر سفر میں سینڈوچ وغیرہ لے چکا تھا سو اس وقت بھوک محسوس نہیں ہوئی۔ امی مطمئن ہو کر سونے چلی گئیں' مگر مجھے تھوڑی دیر میں بھوک لگنا شروع ہو گئی۔ پہلے تو بھوک برداشت کی جب برداشت سے باہر ہوئی تو یہاں آ گیا۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ فریج میں تین طرح کے سالن تو موجود ہیں مگر ہاٹ پاٹ میں ایک روٹی تک نہیں۔ آپ اتفاق سے ادھر آ ہی گئی ہیں تو پلیز ایک روٹی تو ڈال دیجیے۔" شہرام نے بے تکلفی سے فرمائش کی۔

"روٹی؟" انابیہ نے تھوک نگلا تھا۔

"مجھے روٹی نہیں بنانی آتی۔" اس نے شرمندہ سے لہجے میں بتایا۔

"کیا کہا' آپ کو روٹی نہیں بنانی آتی۔" شہرام بولا تھا اور کیا نہیں تھا اس کے لہجے میں۔ حیرت' افسوس' بے یقینی' صدمہ۔

"ہاں' لیکن میں سیکھ لوں گی۔" انابیہ نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں یقین دلایا۔ اس معصومیت کے اظہار پر شہرام فدا ہی تو ہو گیا مگر کچھ لاپروا سا لہجہ بنا کر بولا۔

"بھئی' آپ روٹی بنانا سیکھیں یا نہ سیکھیں۔ میری صحت پر کیا اثر پڑتا ہے۔" انابیہ بھی اپنی بوکھلاہٹ پر دل ہی دل میں خود کو کوس رہی تھی۔

"مجھے نیند آ رہی ہے' میں سونے جا رہی ہوں۔ آپ بھی سو جائیں۔ فجر کے وقت تائی جان اٹھیں گی تو آپ کو ناشتہ بنا دیں گی۔"

وہ کہہ کر رکی نہ تھی اور پیچھے کھڑے شہرام کے لبوں پر دلکش مسکراہٹ پھیل گئی۔ رات گھر پہنچنے کے بعد وہ سیدھا دادا کے کمرے میں پہنچا تھا۔ وہ سونے کی تیاری کر رہے تھے پوتے کو دیکھ کر مسکرائے۔

"بتایئے۔ گرینڈ پا کیا بنا میری عرض کا؟" اس نے پہنچتے ہی استفسار کیا۔

"حقیقتاً طور پر منظور کر لی گئی ہے۔" انہوں نے مسکرا کر بتایا تھا۔

"گریٹ گرینڈ پا!" اس نے بے ساختہ ان کے ہاتھ چوم لیے تھے۔

دل میں اسی وقت سے خواہش بے دار ہو رہی تھی کہ کاش انابیہ کی ایک جھلک دکھائی دے جائے' لیکن وہ اپنے کمرے میں سونے جا چکی تھی۔ کیا خبر تھی کہ رات کے اس پہر دعا قبولیت کا درجہ پا جائے گی۔ انابیہ کا گھبرایا' بوکھلایا اور شرمایا سا روپ دل کو اندر تک مطمئن کر گیا تھا۔ شہرام گنگناتے ہوئے اوون میں سالن گرم کرنے لگا پھر سکون سے بیٹھ کر پیٹ بھر کھانا کھایا تھا۔ دو روٹی کھا لینے کے بعد بھی ہاٹ پاٹ میں ڈیڑھ روٹی باقی بچی تھی۔

☆ ☆ ☆

عفیفہ اپنی کسی سہیلی سے ملنے جا رہی تھیں۔ انابیہ بھی ان کے ساتھ ہو لی۔ وہ آج کم سے کم شہرام کا سامنا کرنا چاہ رہی تھی۔ ڈھائی گھنٹے بعد ان کی واپسی ہوئی تو ناعمہ آئی ہوئی تھیں۔

"علیزہ آج بھی نہیں آئی پھوپھو۔" انابیہ نے پہنچتے ہی استفسار کیا۔

"آئی ہے بیٹا! شاید بابا جان کی اسٹڈی سے کوئی کتاب لینے گئی ہے۔ تم بیٹھو میرے پاس۔ میں نذیراں کو بھیج کر بلواتی ہوں اسے۔" ناعمہ پھوپھو نے اپنے قریب اس کے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔

"ایک منٹ پھوپھو۔ میں علیزہ کو لے کر آتی ہوں۔" وہ فوراً علیزہ کی تلاش میں نکلی۔ اپنے دل کی بدلتی کیفیات سنانے کے لیے اسے ایک رازداں درکار تھا اور بہنوں جیسی کزن سے زیادہ اس کا رازداں اور کون ہو سکتا تھا بھلا۔ دھیمی مسکان لبوں پر سجائے وہ اسٹڈی کی طرف آئی تھی جب اندر سے آتی شہرام کی آواز سن کر وہ ٹھٹک کر رک گئی تھی۔

"رو رو کر تم نے یہ اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے۔ پلیز علیزہ! چپ ہو جاؤ۔"

وہ منت بھرے لہجے میں علیزہ سے مخاطب تھا۔ علیزہ کی سسکیاں تھمنے کا نام نہ لے رہی تھیں۔ انابیہ دروازے کی اوٹ میں ہو گئی۔ یہ ایک اضطراری فعل تھا۔ پتا نہیں وہ شہرام کا سامنا کرنا چاہ رہی تھی یا پھر علیزہ کے یوں بری طرح رونے کا سبب دریافت کرنا چاہتی تھی۔ کل علیزہ نے اسے ٹال دیا تھا' لیکن اس کی شکل دیکھ کر کوئی بھی اندازہ لگا سکتا تھا کہ معاملہ کچھ ہے جس کی وہ پردہ پوشی کر رہی ہے۔

"میرے دل کا محبوب کسی اور کا ہو رہا ہے اور تم کہتے ہو میں آنسو بھی نہ بہاؤں۔ ایک آنسو بہانا ہی تو میرے اختیار میں ہے' شہرام! مجھے آنسو بہانے سے تو مت روکو۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔

"خود کو سمجھاؤ علیزہ۔ عفیفہ چچی کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ بغیر چاہت کے کسی کی زندگی میں شامل ہونا' اپنا آپ منوانے اور محبت پانے میں ایک لمبا عرصہ لگ جاتا ہے۔ عفیفہ چچی میں پھر بہت صبر' برداشت اور حوصلہ تھا' تم تو اتنا انتظار نہیں کر پاؤ گی۔" شہرام نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"تم کتنے سنگ دل ہو شہرام! جو خواب تم نے خود میری آنکھوں میں سجائے تھے' جب میں اس راہ پر چل پڑی تو مجھے مثالیں دے کر سمجھانے بیٹھ گئے ہو۔" علیزہ بپھری ہوئی تھی۔

"وہ میرا بچپنا تھا علیزہ! میری حماقت تھی۔" شہرام بظاہر افسردہ سے لہجے میں مخاطب ہوا تھا مگر باہر کھڑی انابیہ کے رگ و پے میں اشتعال کی شدید لہر دوڑ گئی۔

غم اور غصے کی شدت سے اسے اپنے قدموں پر کھڑا ہونا دشوار ہو گیا۔ بنا کچھ مزید سنے وہ واپس پلٹ آئی تھی۔ ایک رات میں ہی جو شخص دل کے اتنا قریب ہو گیا تھا' وہ اب نگاہوں تک سے گر گیا۔ کتنا بڑا منافق' دغا باز اور ہرجائی شخص تھا وہ۔ انابیہ لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے کمرے میں لوٹ آئی۔

کل جب اس نے دادا جان سے پوچھا تھا کہ کیا اس رشتے میں شہرام کی مرضی بھی شامل ہے تو دادا جان نے کتنا خوش ہو کر اس کی عقل مندی کو سراہا تھا' لیکن اس سے زیادہ نادان بھلا کون ہو سکتا تھا۔ علیزہ اور شہرام کی دوستی اور بے تکلفی اس سے ڈھکی چھپی تو نہ تھی' آخر اس کے ذہن میں یہ خیال کیوں نہ آیا کہ علیزہ اور شہرام کے درمیان دوستی کے علاوہ کوئی اور رشتہ بھی ہو سکتا ہے۔ محبت کا وہ رشتہ جس کو شہرام نے تو مزے سے بچپن کی حماقت قرار دے دیا تھا۔ کتنا بے مول کر دیا تھا اس نے علیزہ کے جذبوں کو انابیہ کا دل اپنی سہیلی کے لیے رو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب علیزہ اسے ڈھونڈتی ہوئی اس کے کمرے میں آئی تو انابیہ کو اس سے نگاہیں ملانا دشوار ہو گیا۔

"چپکے چپکے بات پکی کروالی اور ہمیں خبر تک نہ ہونے دی۔ مبارک ہو بھئی مبارک ہو۔" علیزہ شگفتگی سے کہتے ہوئے اس سے لپٹ گئی تھی۔ انابیہ اس کے حوصلے اور ظرف پر ششدر رہ گئی۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں ابھی تک یقین ہی نہیں آیا کہ شہرام سے تمہارا رشتہ طے ہو گیا ہے۔" علیزہ اس کی ٹھوڑی چھوتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"یہ سب کچھ اچانک ہوا ہے علیزہ۔ میرے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کل دادا جان' مما' پاپا سے یہ بات کریں گے۔" انابیہ وضاحت دیتے ہوئے روہانسی ہو رہی تھی۔

"تو پاگل لڑکی! اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ خوش قسمت ہو تم تو جو کسی کی چاہت بن کر اس کی زندگی کا حصہ بننے جا رہی ہو۔"

Famous Urdu Novels
http://famousurdunovels.blogspot.com/

علیزہ مسکرا کر بولی تھی لیکن اس کا بھیگا بھیگا لہجہ انابیہ کے دل کو چیر گیا تھا۔ کاش وہ علیزہ کے لیے کچھ کر سکتی، مگر وہ علیزہ کے لیے کیا کر سکتی تھی۔ آنے والے دنوں میں یہی سوچ اسے بری طرح ہلکان کرتی رہی تھی۔ میمونہ تائی نے بہت پیار سے اس کی انگلی میں شہرام کے نام کی انگوٹھی پہنا دی تھی۔ اس وقت حویلی میں ہر شخص کے چہرے پر بڑی واضح خوشی دیکھی جا سکتی تھی۔ انابیہ کا بس چلتا کہ وہ حویلی کے ایک ایک شخص کو پکڑ کر اس حقیقت سے آگاہ کر دے، لیکن شہرام جیسے وحشت شخص سے یہ بعید نہ تھا ہو سکتا ہے وہ صاف مکر ہی جاتا کہ اس نے کبھی علیزہ کو بھی اپنی محبت کا یقین دلایا ہے، جب وہ علیزہ کے منہ پر کہہ سکتا تھا کہ وہ محبت، بچپن کی حماقت تھی تو سب کے سامنے بھی وہ یہ بات ہنسی مذاق میں اڑا سکتا تھا۔ باتوں کا تو ویسے بھی کھلاڑی تھا۔

انابیہ ہرگز نہ چاہتی تھی کہ علیزہ کی ذات کا بھرم ٹوٹے جب اس نے خود کسی کے سامنے صدائے احتجاج بلند نہیں کی تو انابیہ بھی یہ کیسے کر سکتی تھی۔ کبھی خیال آتا کہ وہ علیزہ کا نام لیے بغیر شہرام سے جڑا رشتہ توڑ دے تو ہو سکتا ہے شہرام علیزہ کو اپنا لے لیکن پھر شہرام کی سفاکی یاد آجاتی۔ وہ علیزہ کو جتا رہا تھا کہ بغیر چاہت کے کسی کی زندگی میں شامل ہوا جائے تو زندگی عفیفہ کی طرح گزرتی ہے۔ تشنہ اور نا آسودہ۔"

اپنی ماں کی پوری زندگی انابیہ کی نگاہوں کے سامنے گھوم جاتی۔ آبگینہ پائی کا یہ سفر اختیار کرنا واقعی علیزہ کے بس کی بات نہ تھی۔

انابیہ سوچتی جاتی اور دماغ پھٹنے کو ہو جاتا۔ سب کچھ جانتے بوجھتے شہرام کی زندگی میں شامل ہونا اس کے بس سے باہر تھا لیکن اپنے ماں باپ کے خوشی سے دمکتے چہرے دیکھتی تو بے بسی کا احساس سوا ہو جاتا۔ اس نے زندگی میں کبھی انہیں اتنا مطمئن اور خوش باش نہ دیکھا تھا۔ اس کا ایک جذباتی قدم خاندان بھر کی خوشیوں کو داؤ پر لگا سکتا تھا۔ برسوں کے بچھڑے ہوئے اب جا کر ملے تھے وہ پھر سے ان میں کوئی دراڑ نہ ڈالنا چاہتی تھی سو سب کچھ وقت کے دھارے پر چھوڑ دیا۔

☼ ☼ ☼

اس کے فائنل سمسٹر کے فوراً بعد شادی کی تاریخ رکھ دی گئی تھی، پہلے شہریار کی بارات ہبین کے گھر گئی تھی۔ اگلے روز وہ شہرام کے سنگ رخصت ہو کر حویلی پہنچ گئی تھی۔ علیزہ نے شادی کی تمام رسموں میں بھرپور شرکت کی تھی لیکن انابیہ نے بہت بار اسے اپنی بھیگی پلکیں صاف کرتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ بلا کا ضبط تھا اس لڑکی میں۔ اس نے انابیہ کی بہن بن کر شہرام سے تگڑا سا نیگ بھی وصول کیا تھا اور اس وقت اس کی کھلکھلاہٹیں عروج پر تھیں۔

انابیہ میں اس جتنا ضبط نہ تھا۔ وہ روئے جا رہی تھی۔ سب اس رونے کو دلہن کے روایتی رونے پر محمول کر رہے تھے مگر وہ تو جیسے آج سارے آنسو بہا دینا چاہتی تھی۔ شاید اسی طرح دل پر دھرا بوجھ کچھ کم ہو جاتا۔

"انابیہ میری جان! میرے بچے کیوں رو رو کر خود کو ہلکان کر رہی ہو بیٹا! اس طرح تو کل ہبین بھی نہیں روئی تھی۔ تم تو اپنوں میں آئی ہو۔ ہم سب ہیں نا تمہارے پاس۔ کل صبح سویرے تمہارے سلمان، سنعان بھی آجائیں گے۔" ناعمہ پھوپھو نے اسے بانہوں میں بھینچ کر خوب پیار کیا تھا۔

"بس رہنے دیں چھوڑو۔ ناعمہ! میری بچی کو اس کے کمرے تک لے جاؤ۔ اس نے تو رو رو کر اپنا برا حال کر لیا ہے۔ بابا جان نے دیکھ لیا تو وہ بھی پریشان ہو جائیں گے۔" میمونہ بیگم نے ناعمہ کو مخاطب کیا۔ ناعمہ اسے کمرے تک چھوڑ آئی تھیں۔

"میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے پھپھو! یہ جیولری اتار دوں؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ ناعمہ اس کا سوال سن کر کچھ پریشان ہوئی تھیں۔

"کچھ دیر رک جاؤ۔ بس ہم ابھی شہرام کو تمہارے پاس بھیجتے ہیں۔" وہ اسے موقع محل کی نزاکت سمجھانا چاہ رہی تھیں۔

اتنے میں میمونہ دودھ کا فلاسک لیے آگئی تھیں۔ ناعمہ نے دھیرے سے بھاوج کو اس کی طبیعت سے آگاہ کیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے بیٹھی تھی۔ چہرے پر شدید تکلیف کے آثار تھے۔

"تائی جان پلیز۔ کوئی ایزی سا ڈریس نکال دیں۔ میں ریلیکس کرنا چاہتی ہوں۔ اسی حالت میں رہی تو مجھے خدشہ ہے کہ بے ہوش ہی نہ ہو جاؤں۔" وہ تھکے تھکے لہجے میں بولی۔ ناعمہ اور میمونہ نے بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"ٹھیک ہے میرے بچے! تم پریشان نہ ہو۔ ناعمہ وارڈروب سے کوئی سوٹ جوڑا نکال دو انابیہ کو، میں سردرد کی کوئی دوا لاتی ہوں۔" میمونہ نے ناعمہ کو مخاطب کیا۔ ناعمہ کی مدد سے اس نے جیولری، بالوں اور دوپٹے میں اٹکی پنوں سے نجات حاصل کی تھی پھر کپڑے تبدیل کر کے وہ بستر پر نیم دراز ہوگئی۔ اور شہرام کے آنے سے پہلے وہ نیند کی وادی میں اتر چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

صبح اس کی آنکھ کھلی تو چند لمحوں کے لیے تو سمجھ میں ہی نہ آیا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ پھر گردوپیش پر نگاہ ڈالی تو لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ نہ چاہنے کے باوجود وہ آخر شہرام کے نام سے جڑ کر اس کے بیڈروم میں پہنچ چکی تھی۔ قسمت کے سامنے کس کا زور چلتا ہے بھلا۔ وہ گہری سانس لیتی ہوئی اٹھ بیٹھی تھی۔ اتنے میں ڈریسنگ روم سے شہرام برآمد ہوا۔ انابیہ نے صرف ایک نگاہ اس پر ڈالی پھر جامد احساسات کے ساتھ اپنی جگہ بیٹھی رہی۔

"صبح بخیر زندگی۔" شہرام اسے دیکھ کر بہت محبت سے مسکرایا تھا۔ انابیہ نے اس پر دوبارہ نگاہ تک ڈالنے کی زحمت گوارا نہ کی تھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری۔" وہ نرمی سے استفسار کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" اس نے لٹھ مار انداز میں مختصر سا جواب دیا۔

"اچھی بات ہے۔ ویسے میں تاریخ عالم کا پہلا دولہا ہوں، جس کی سہاگ رات بیوی کا سر دباتے ہوئے گزری ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے چھیڑ رہا تھا۔

اگر وہ شہرام کی اصلیت سے آگاہ نہ ہوتی تو اس وقت دل میں اس کی اعلا ظرفی کی قائل ہو چکی ہوتی۔ گزری رات اس نے شہرام کا انتظار تک نہ کیا تھا۔ مانا اس کی طبیعت خراب تھی لیکن جس طرح وہ کپڑے تبدیل کر کے لمبی تان کر سوئی تھی کوئی اور ہوتا تو زندگی کی حسین رات کو اس بے دردی سے ضائع کرنے پر خفگی کا اظہار تو کرتا، لیکن وہ بنا کچھ جتائے ہنستے مسکراتے اس کی مزاج پرسی کر رہا تھا۔

"چلو تم فریش ہو لو پھر سب کے ساتھ مل کر ناشتا کرتے ہیں۔" شہرام کے کہنے پر وہ اٹھ گئی تھی۔ اس کا اصل مسئلہ شہرام تھا۔ وہ گھر کے باقی لوگوں کو اپنے رویے سے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پھر گھر میں ایک اور دلہن بھی موجود تھی۔ انابیہ جانتی تھی کہ اگر وہ سر جھاڑ منہ پہاڑ حلیے میں گئی تو فوراً اس کا تقابل بجی سنوری ثمین بھابھی سے کیا جائے گا۔ شفیق سی تائی جان کی رات والی مہربانی ہی بہت تھی۔ وہ اب انہیں شکایت کا موقع نہ دینا چاہتی تھی۔ نہا کر اس نے ہلکا فیروزی کلدانی کا سوٹ پہنا تھا۔ کندن کی نازک سی جیولری اور لائٹ سا میک اپ۔ آئینہ گواہی دے رہا تھا کہ وہ بہت خوب صورت لگ رہی ہے۔ اگر وہ کمرے میں موجود اپنے شوہر کی آنکھوں میں جھانک لیتی تو گواہی کے لیے آئینے کی ضرورت نہ پڑتی۔ شہرام بہت فرصت سے اس کے چہرے کے حسین نقوش تک رہا تھا۔ انابیہ اسے لاکھ نظرانداز کرنے کی کوشش کرتی مگر اس کی نگاہوں کی تپش سے اس کی ہتھیلیاں پسینہ پسینہ ہو رہی تھیں۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔" ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں اپنے پیچھے کھڑے شہرام کا عکس دیکھ کر وہ سٹپٹا گئی تھی۔

"معلوم ہے مجھے۔" اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے

ہوئے اس نے سرد مہری سے جواب دیا اور بیڈ پر بیٹھ کر سینڈل پہننے لگی۔

"اپنی پرابلم انابیہ؟ تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا۔" شہرام اس کے سرد سپاٹ رویے پر قدرے الجھا تھا۔ یہ دلہنوں والی روایتی شرم نہ تھی۔ اس کا رویہ ناقابل فہم سا تھا۔

"میں نے کہا نا، ٹھیک ہے میری طبیعت۔ آئیں چلیں، ناشتے پر سب انتظار کر رہے ہوں گے۔" انابیہ نے اسی سپاٹ سے لہجے میں شہرام کو مخاطب کیا۔

"چلتے ہیں، پہلے اپنا رونمائی کا تحفہ تو لے لو۔" شہرام نے مسکراتے ہوئے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر دھری مخملی ڈبیا اٹھائی تھی پھر اس کے قریب بیٹھا تھا۔ انابیہ خشک انداز میں دونوں ہاتھ گود میں دھرے بیٹھی رہی۔ شہرام نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے نازک سی ڈائمنڈ رنگ اس کی انگلی میں پہنائی تھی۔ انگوٹھی پہنانے کے بعد انابیہ نے یک لخت اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑایا تھا۔

"تم مجھ سے کسی بات پر خفا ہو انابیہ۔" شہرام اس کے انداز پر ششدر رہ گیا تھا۔ انابیہ نے ایک کٹیلی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔

"مجھے بھوک لگی ہے میں ناشتا کرنے جا رہی ہوں۔" شہرام کی بات کا جواب دیے بغیر وہ اٹھ گئی تھی۔ شہرام نے ایک گہری سانس اندر کھینچی۔ انابیہ کو سمجھنے کا ہمیشہ سے ہی بہت شوقین تھا لیکن جو پہیلی اسے اپنی شادی شدہ زندگی کی اولین صبح بوجھنی پڑ رہی تھی اس کا دور دور تک کوئی ممکنہ جواب موجود نہ تھا۔

☆

"تم بہت خوش قسمت ہو انابیہ، تمہارے اپنے ہیں، تم سب کو اچھی طرح جانتی ہو، کوئی شرم جھجک یا گھبراہٹ نہیں۔ میں تو بہت کنفیوژ ہو رہی ہوں یار۔" ولیمے کی تقریب میں دلہن بنی ثمین اس سے مخاطب تھی۔

"شروع شروع میں تو یہ شرم اور گھبراہٹ فطری ہے ثمین بھابھی۔ کچھ وقت لگے گا پھر آپ بھی سب میں گھل مل جائیں گی۔" اس نے ثمین کو دوستانہ انداز میں تسلی دی۔

"ہاں، کل شہریار بھی مجھے یہی سمجھا رہے تھے۔" شہریار کا ذکر کرتے ہوئے ثمین کے لبوں پر شرمگیں مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

چند لمحے پہلے ثمین انابیہ پر رشک کر رہی تھی اور اب انابیہ کو اس کی قسمت پر جی بھر کر رشک آ رہا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں ثمین کی خوشیوں کے سدا قائم رہنے کی دعا کی تھی۔

☆ ☆ ☆

شہرام ہرگز توقع نہ کر رہا تھا کہ آج بھی اس کی دلہن ڈھلے ڈھلائے چہرے کے ساتھ بیڈ پر نیم دراز ملے گی۔ انابیہ نے شہرام کے قدموں کی چاپ سنی تو لحاف منہ تک تان لیا تھا۔ کچھ لمحوں تک کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔ وہ شاید فریش ہونے واش روم گیا تھا۔ ذرا دیر بعد کمرے میں کچھ کھٹر پٹر ہوئی تھی اور پھر دوبارہ خاموشی چھا گئی۔ انابیہ نے لحاف کا ذرا سا کونا چہرے سے ہٹایا۔

شہرام جائے نماز بچھائے قبلہ رو کھڑا تھا۔ وائٹ کاٹن کے شلوار قمیص میں وہ رات کے اس پہر بھی کتنا فریش اور تروتازہ لگ رہا تھا۔ جس انہماک سے وہ نماز پڑھ رہا تھا، انابیہ چند لمحوں کے لیے اس پر سے نگاہیں نہ ہٹا پائی۔

"ہونہہ! صرف حقوق اللہ کی ادائیگی سے کیا ہوتا ہے۔" انابیہ نے خود کو متاثر ہونے سے روکا تھا۔ شہرام نے پورے سکون سے نماز کی ادائیگی کی تھی۔ انابیہ کا خیال تھا کہ وہ کل کی طرح اسے سوتا جان کر خود بھی سو جائے گا لیکن یہ اس کی بھول تھی۔

"مجھے علم ہے، تم جاگ رہی ہو۔ سونے کی ایکٹنگ چھوڑو اور اٹھو، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" شہرام کی سنجیدہ سی آواز انابیہ کے کانوں سے ٹکرائی

http://famousurdunovels.blogspot.com/ Famous Urdu Novels

تھی۔ وہ پھر بھی اپنی جگہ بے حس و حرکت پڑی رہی تو شہرام نے اس کا لحاف پکڑ کر کھینچا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے شہرام۔" انابیہ ناگواری سے کہتی اٹھ بیٹھی تھی۔

"بدتمیزی یہ نہیں' بدتمیزی وہ ہے جو تم کر رہی ہو۔" وہ خفگی سے گویا ہوا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے۔ سونا ہے مجھے۔" انابیہ کی بیزاری کا عجب ہی عالم تھا۔

"تم مجھے مسلسل اوائیڈ کر رہی ہو۔ کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ انابیہ۔ مسئلے بات چیت سے ہی حل ہوتے ہیں۔" وہ بہت تحمل مزاجی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ انابیہ نے ایک تیکھی نگاہ اس کے خوب رو چہرے پر ڈالی۔

"میں تو پہلے ہی تمہاری محبت میں گھائل ہو چکا ہوں۔ یوں نگاہوں کے تیر تو مت چلاؤ یار۔" وہ بے بسی سے مسکرایا تھا۔ ایک تنفر بھری مسکراہٹ انابیہ کے لبوں پر پھیل گئی تھی۔

"اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو یہی سمجھتا کہ تم اس شادی پر راضی نہیں تھیں اور تمہیں زبردستی اس بندھن میں باندھا گیا ہے' لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ رشتہ سو فیصد تمہاری مرضی پر طے ہوا ہے پھر اس طرح بی ہیو کیوں کر رہی ہو۔؟"

"آپ غلط سمجھے تھے شہرام! میں اس رشتے کے لیے قطعاً راضی نہ تھی۔ آپ کی زندگی کا حصہ بننے کے لیے مجھے اپنے دل پر بہت جبر کرنا پڑا ہے آپ اس کا تصور تک نہیں کر سکتے۔" وہ سفاکی سے بولی تھی۔

شہرام اس کی بات سن کر بھونچکا رہ گیا تھا۔

"تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو۔" وہ اس کی بات پر یقین کرنے کو تیار نہ لگتا تھا۔

"سچ ہی کہہ رہی ہوں شہرام۔" اس کے چہرے پر بکھری اذیت دیکھ کر انابیہ کے دل میں ٹھنڈک سی اتر گئی تھی۔

"اگر تم اس رشتے پر راضی نہیں تھیں تو ہاں کیوں کی تھی' کسی نے گن پوائنٹ پر تو مجبور نہیں کیا تھا تمہیں؟۔" وہ غصے سے لب بھینچے استفسار کر رہا تھا۔

"بعض اوقات اپنوں کی محبت آپ سے وہ کام کروا لیتی ہے جو شاید کوئی گن پوائنٹ پر بھی نہیں کروا سکتا۔" اس بار انابیہ تھکے تھکے لہجے میں بولی تھی۔

"تمہیں میری زندگی کے ساتھ یہ مذاق کرنے کی جرأت بھی کیسے ہوئی۔؟" شہرام بھنچے بھنچے لہجے میں چیخا۔ شہرام کے تیور دیکھ کر ایک لمحے کو تو انابیہ کا دل بھی پسلیوں میں زور سے دھڑکا تھا۔ مگر وہ چہرے کو بے تاثر رکھنے میں کامیاب ہو گئی۔ کچھ لمحوں تک شہرام اسے قہربار نگاہوں سے تکتا رہا پھر اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا تھا۔ اسے یوں بے سکون دیکھ کر انابیہ کے رگ و پے میں سکون اتر آیا تھا۔

"شہرام صاحب! آپ علیزہ کو میری ماں کی مثال دیتے ہوئے سمجھا رہے تھے کہ بغیر چاہت کے کسی کی زندگی کا حصہ بن جانے تو زندگی کتنی ناآسودہ اور غیر مطمئن گزرتی ہے۔ اب یہی ناآسودہ زندگی آپ کو جھیلنی پڑے گی۔ میں اپنے پیرنٹس کو کسی اذیت سے بچانا چاہتی تھی اس لیے ان کے سامنے آپ کی اصلیت نہ کھول پائی' جس طرح یہ رشتہ جوڑنا میری مجبوری تھی ویسے ہی یہ رشتہ نبھانا آپ کی مجبوری ہے شہرام۔" زہرخند مسکراہٹ چہرے پر سجائے وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھی۔

"تم سو سکتی ہو۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد شہرام سپاٹ سے انداز میں اس سے مخاطب ہوا۔ انابیہ پھر سے لحاف میں گھس کر سونے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

رواج کے مطابق یمین بھابھی کے میکے والے انہیں ساتھ لے گئے تھے۔ اس کی ماں کا تو کہنا ہی یہ تھا۔ عفیفہ' سلمان' مستعان کے ساتھ دو روز وہیں رکی تھیں۔ مصطفیٰ کو اسپتال کی مصروفیت کی وجہ سے جانا پڑا تھا۔ وہ اور شہرام سب کے سامنے ایک خوش باش کپل کا تاثر پیش کرنے میں کامیاب ٹھہرے تھے۔ دادا

جان' تایا ابو' تائی جان سب اس کے واری صدقے جا رہے تھے۔ یمین سچ کہتی تھی' وہ خوش قسمت تھی جو اتنے محبت کرنے والے اپنوں کے درمیان تھی۔

ناعمہ پھوپھو اور علیزہ آج کل گھر کا سامان پیک کرنے میں مصروف تھیں۔ وہ لوگ بس اب شہر شفٹ ہونے ہی والے تھے۔

"قسمت کی ستم ظریفی ہی ہے نا انابیہ! پہلے تم وہاں اور میں یہاں اور اب میں وہاں اور تم یہاں۔ اپنی قسمت میں ایک دوجے کے پاس رہنا تو لکھا ہی نہیں۔" علیزہ جاتے جاتے اداس ہو رہی تھی۔

"میں جب ماما' پاپا کے پاس آیا کروں گی تو پھر تم بھی ہمارے ہاں رہنے آ جایا کرنا۔" انابیہ نے اپنی پیاری سی سہیلی کو تسلی دی تھی۔

"تم لاہور سے اتنی جلدی جلدی تھوڑی آ سکو گی۔" علیزہ مسکرائی تھی۔

"لاہور کون جا رہا ہے؟" انابیہ لاپروائی سے بولی تھی۔

"کیا مطلب' کون۔ کیا شادی کے بعد بھی شہرام بے چارہ چھڑا چھانٹ بن کر زندگی گزارے گا۔ بی بی! تیاری پکڑ لو' تمہیں اب اس کے گھر کا چولہا چکی سنبھالنی پڑے گی۔" علیزہ نے اسے پھر سے چھیڑا۔ اس وقت تو انابیہ محض مسکرا کر رہ گئی تھی مگر دوسرے دن کھانے کے وقت گفتگو کا یہی موضوع چھڑ گیا۔

"شہرام بیٹا! اب روانگی ہے تمہاری۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ خادم حسین کو ساتھ لے جاؤ۔ لاہور سیٹ وغیرہ ہو جائے تو انابیہ کو ساتھ لے جانا۔" مرتضیٰ نے گھر کے ملازم کا نام لیتے ہوئے شہرام کو مشورہ دیا تھا۔ تایا کے مشورے پر انابیہ ...

"اتنی چھٹیوں کے بعد واپس جوائن کروں گا بابا! کاموں کا انبار جمع ہو گا۔ لاہور سیٹ کرنا تو خاصی فرصت میں کرنے والا کام ہے۔" شہرام نے عذر تراشا تو انابیہ نے سکون کا سانس لیا۔

"اتنی جلدی تم واپس جا رہے ہو۔ میں تو کہہ رہی تھی ہفتے' دس دن کی چھٹی اور لے لیتے۔ کہیں گھومنے پھرنے ہی چلے جاتے۔ شہریار اور یمین بھی تو جا رہے ہیں۔ ساتھ تم بھی چلے جاتے بیٹا۔" اس بار مشکل میں ڈالنے والی میمونہ تھیں۔

"فی الحال مزید چھٹی ملنا مشکل ہے امی۔ ان شاءاللہ کچھ عرصے بعد چھٹی لے کر ناردرن ایریاز کی طرف گھومنے نکلیں گے۔ جب موسم بھی خوشگوار ہو گا۔ کیوں انابیہ۔" بات کے اختتام پر اس نے انابیہ سے بھی رائے طلب کی۔

"جی' جی بالکل۔" وہ اچانک مخاطب کیے جانے پر چونکی مگر پھر تابعداری سے اس کی بات کی تائید کی تھی۔ میمونہ کو بہو کی تابعداری پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔

"چلو ٹھیک ہے' جیسے تم لوگوں کی مرضی۔" وہ مطمئن ہو گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

شہرام لاہور چلا گیا تھا۔ انابیہ کا خیال تھا کہ وہ اس کے جانے کے بعد خود کو مطمئن محسوس کرے گی مگر حیرت انگیز طور پر آج کمرے کے ساتھ ساتھ اس کا دل بھی خالی خالی ہو رہا تھا۔ وہ دس دن تک ایک چھت تلے دو اجنبیوں کی طرح رہے تھے۔ اب شہرام بھی اسے مسلسل نظرانداز کرنے کی پالیسی اپنائے ہوئے تھا۔ انابیہ اس بات پر شکر مناتی تھی کہ اس نے غصے اور ضد میں آ کر انتقام کی کوئی اور راہ نہیں اپنائی تھی۔ اگر اس کی فطرت کے ہرجائی پن کو نظرانداز کر دیا جاتا تو وہ بظاہر بہت ڈیسنٹ اور سلجھی ہوئی عادات کا مالک تھا۔

انابیہ اسے یاد کرنا نہ چاہ رہی تھی مگر لاشعوری طور پر اسی کو سوچے جاتی تھی۔ سب گھر والوں کو وہ باقاعدگی سے فون کرتا مگر انابیہ کے سیل فون پر اس کی ایک بھی کال نہ آئی۔ اسے خود پر شدید غصہ آتا تھا کہ وہ اس کے کسی میسج یا کال کا انتظار ہی کیوں کر رہی ہے۔ غصے کی جس آگ میں جلتے ہوئے وہ اس کی زندگی میں شامل ہوئی تھی' آخر وہ آگ سرد کیوں پڑتی جا رہی

Famous Urdu Novels
http://famousurdunovels.blogspot.com/

تھی۔ شہرام کا جرم ابھی بھی اس کی نظر میں ناقابل معافی تھا پھر اسے کیوں لگتا تھا کہ جو سزا اس نے شہرام کے لیے منتخب کی ہے' اس کی اذیت شہرام سے زیادہ اسے بھگتنی پڑ رہی ہے۔ ابھی تو اس نے شہرام کے ساتھ فقط دس دن گزارے تھے پھر کیوں اس کا دل موم کی طرح پگھلتا جا رہا تھا۔

ہر روز اسے جواب میں بھوری آنکھوں والا ہنستا مسکراتا شہرام نظر آتا تھا۔ [illegible] ایک رات تھی جب دروازے کی زوردار دستک پر اس کی آنکھ کھلی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔ گھڑی پر نگاہ ڈالی تو رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ اس ٹائم کون دروازہ بجا سکتا تھا۔ اسے تھوڑا ڈر لگا تھا۔ اتنے میں دوبارہ دروازہ بجا تھا' ساتھ ہی شہرام کی آواز بھی سنائی دی۔ انابیہ نے لپک کر دروازہ کھولا تھا۔

"کیسے گھوڑے بیچ کر سوتی ہو تم۔ کب سے دروازہ بجا رہا تھا۔" وہ خفگی سے کہتا کمرے میں داخل ہوا۔

"آپ اچانک کیسے۔ تائی جان نے تو نہیں بتایا تھا کہ آپ کے آنے کا کوئی پروگرام ہے۔" انابیہ نے حیرت سے استفسار کیا تھا۔

شہرام نے ایک تیکھی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی مگر جواب دینے کی زحمت نہ کی۔ انابیہ کو اپنے لہجے کی حلاوت پر خود ہی غصہ آ گیا۔ ضرورت ہی کیا تھی اس شخص کے منہ لگنے کی۔ وہ دوبارہ بستر میں گھس گئی تھی لیکن اب دوبارہ نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ شہرام نے سفری بیگ صوفے پر رکھا۔ سائیڈ ٹیبل پر دھرے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا۔ صوفے پر بیٹھ کر گھونٹ گھونٹ پانی پیا پھر موبائل ہاتھ میں لے کر چارجر کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں۔

"میرا چارجر کہاں ہے؟" آخر انابیہ سے ہی پوچھ رہا تھا۔

"تیمین بھابھی کے فون میں بھی وہ ہی چارجر لگتا ہے۔ ان کو اپنے والا نہیں مل رہا تھا' میں نے آپ کا دے دیا۔" انابیہ نے اس بار سپاٹ سے انداز میں ہی جواب دیا۔ شہرام نے گہری سانس اندر کھینچی تھی پھر دروازے کی سمت بڑھا۔

"آپ رات کے اس پہر ان سے چارجر لینے جائیں گے۔" انابیہ اچھل ہی تو پڑی۔ دروازے کی ناب گھماتے گھماتے شہرام پلٹا تھا۔

"اتنا پاگل نہیں ہوں کہ اس ٹائم تیمین بھابھی کو جگا کر ان سے چارجر مانگوں۔ امی کو جگانے جا رہا ہوں۔ سخت بھوک لگی ہے مجھے۔ امی کھانا دے دیں گی۔"

"اس ٹائم تائی جان کو بے آرام کریں گے پھر کہہ رہے ہیں اتنا پاگل نہیں ہوں میں۔" انابیہ نے اس کے لہجے کی نقل اتاری۔

"تو کیا بھوکا سو جاؤں۔" وہ تنک کر بولا تھا۔

"ویسے تو ایک رات بھوکا سونے سے بھی بندہ فوت نہیں ہو جاتا لیکن لا دیتی ہوں کھانا۔" انابیہ جیسے اس کی منتوں پر احسان کرتے ہوئے اٹھی تھی۔

"روٹی بنانا سیکھ لی؟" شہرام نے یقیناً طنز ہی کیا تھا وہ بنا جواب دیے کمرے سے نکل گئی تھی۔ شہرام نے صوفے کی پشت سے سر ٹکا لیا ایک بے بس سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ دل بھی انسان کو کیسے کیسے خوار کرواتا ہے۔ انابیہ کی ایک جھلک دیکھنے کو آج دل اتنا بے تاب ہوا کہ [illegible] پروگرام کے اچانک گاؤں کے لیے نکل پڑا۔ تھکاوٹ سے اس کا جسم چور چور ہو رہا تھا۔ رات کی ڈرائیونگ اسے ویسے ہی بہت مشکل لگتی تھی مگر آج یہ مشکل کام اس نے برضا و رغبت کیا تھا۔

صوفے سے سر ٹکائے ہی اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ جانے کتنا وقت گزرا تھا کہ برتنوں کی کھٹر پٹر سے آنکھ کھلی۔ انابیہ بہادری سائز بیڈ کے ایک سرے پر دسترخوان بچھا کر کھانا چن رہی تھی۔

"آپ ابھی جا میں 'بھوک بھوک' کا شور مچا رہے تھے اور بنا کھانا کھائے سو بھی گئے۔" شہرام نے تھکاوٹ اور نیند سے بوجھل ہوتی سرخ سرخ آنکھوں سے انابیہ کو گھورا پھر ہاتھ دھونے واش روم چلا گیا۔ انابیہ صوفے پر جا بیٹھی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" شہرام کھانے بیٹھا تو ہاٹ پاٹ میں سے روٹی سے ملتی جلتی چیز نکال کر حیرت سے استفسار کیا۔

"یہ صحیح نہیں لگ رہی تو دوسری کھا لیں۔ اس کے کنارے اتنے موٹے نہیں ہیں اور گول بھی ہے۔" انابیہ کے کہنے پر اس نے دوسری روٹی نکالی تھی۔ اس روٹی کے کنارے واقعی زیادہ موٹے نہیں تھے' پہلی لیوتری سی روٹی کی نسبت وہ واقعی بیضوی شکل کی روٹی تھی۔ شہرام وہ کھا بھی لیتا اگر وہ اس بری طرح جلی نہ ہوتی۔

"امی نے تمہیں ابھی تک روٹی بنانا بھی نہیں سکھائی۔" وہ خاصی بے چارگی سے پوچھ رہا تھا۔

"کھیر پکوائی سے پہلے تائی جان مجھ سے روٹی کیسے پکوا سکتی ہیں۔" اس نے جیسے شہرام کی عقل پر تاسف کا اظہار کیا۔

"امی کو مشورہ دوں گا کہ کھیر پکوائی کے بعد بھی تم سے روٹی پکوائی مت کروائیں۔" وہ صاف صاف مذاق اڑا رہا تھا۔

"[illegible] آ رہے ہیں تو مت کھائیں' ایک تو اتنی زور سے میرا ہاتھ جل گیا' اوپر سے مجھے آپ کی باتیں بھی سننا پڑ رہی ہیں۔" [illegible] رونے والی بات [illegible] مگر جانے کیوں انابیہ کو بری طرح رونا آ گیا۔ شہرام [illegible]

"دکھاؤ ہاتھ۔" وہ اس کے قریب [illegible] خود اس کی کلائی تھام کر معائنہ کیا۔

"[illegible] والا جلا ہے۔" انابیہ نے دائیں ہاتھ کی کلائی اس کے سامنے کی بہت بری طرح نہ سہی مگر جلنے کا نشان واضح تھا۔

"ایک دم [illegible] ہو تم اور برنال وغیرہ کیوں نہ لگائی۔" وہ ڈانٹتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ انابیہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ تو بس بے [illegible] والے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ شہرام اٹھ کر واش روم تک گیا تھا۔ وہاں سے ٹوتھ پیسٹ اٹھا لایا بنا اسے مخاطب کیے اس نے انابیہ کی کلائی تھامی اور جلی ہوئی جگہ پر ٹوتھ پیسٹ کا لیپ سا کر دیا۔ جلی ہوئی جلد میں ٹھنڈک سی اتر گئی تھی پھر بھی اس کے آنسو نہ رکے تھے۔

"اب اتنی تکلیف بھی نہیں ہو رہی ہوگی انابیہ! پھر ایسے کیوں رو رہی ہو۔" وہ اس پر خفا ہوتے ہوئے بولا۔

"پاگل ہوں اس لیے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

شہرام خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر دسترخوان سمیٹ کر کچھ برتن سائیڈ ٹیبل پر اور کچھ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیے۔ انابیہ چپ چاپ اٹھ کر اپنے لحاف میں گھس گئی۔ ابھی بے آواز آنسوؤں نے بہت دیر تک اس کا تکیہ بھگونا تھا۔

☆ ☆ ☆

عجیب سی یاسیت نے اس کے وجود کا احاطہ کر رکھا تھا۔ شہرام کو واپس گئے کئی روز ہو چکے تھے۔ وہ اسے سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر پھر بھی سوچے ہی جاتی۔ کبھی سوچتی کہ کاش اس روز وہ علیزہ کو ڈھونڈتی ڈھونڈتی اسٹڈی تک نہ جاتی تو آج زندگی میں یہ بے سکونی اور خلا پن نہ ہوتا۔ بھلے سے شہرام علیزہ سے بے وفائی کرتا مگر یہ بات اس کے علم میں نہ آتی۔ شہرام جب اس سے اپنی محبت کا اظہار کرتا تو وہ فوراً اس محبت پر ایمان لے آتی مگر اگلے ہی پل ایسی سوچوں پر وہ خود کو لتاڑ رہی ہوتی "ایک دھوکے باز اور ہرجائی شخص اس کی زندگی کا حصہ تو بن گیا تھا مگر وہ اسے اپنے دل میں کوئی جگہ نہ دینا چاہتی تھی۔ ہاں' وہ اس کے دل میں مکین نہ بستا تھا وہ اس بارے میں پر یقین تھی مگر وہ اپنے دل میں جھانکنے سے ڈرتی بھی تھی۔

وہ اپنا دھیان بٹانے کی ہر ممکن کوشش کرتی۔ کبھی دادا جان کے پاس جا کر ان سے پچھلے وقتوں کے قصے سنتی۔ مرحومہ دادی کی باتیں' پاپا اور تایا جان کی بچپن کی شرارتیں۔ کبھی تیمین بھابھی کے پاس بیٹھتی تو وہ شرمگیں مسکراہٹ کے ساتھ اپنی اور شہریار کی محبت کے قصے سنانے لگتیں۔

[illegible] لائف کی باتیں۔ کیسے ان کی محبت کی

Famous Urdu Novels
http://famousurdunovels.blogspot.com

شروعات ہوئی کیسے سبین بھابھی نے اپنے گھر والوں کو شہریار بھائی کے لیے قائل کیا۔ ان کے پاس سنانے کو بہت سے قصے تھے اور انابیہ کے پاس بہت سا فارغ وقت۔ اور پھر کبھی انابیہ میمونہ سے کوکنگ سیکھنے کے درپے ہو جاتی۔ ہانڈی پکانے میں وہ پھر بھی زیادہ دلچسپی نہ لیتی تھی۔ ہاں کسی طرح تائی جان جیسی گول روٹی بنانا وہ بھی سیکھ جائے اسی کو شش میں لگی رہتی۔ لیکن پھر اس کا سب کاموں سے دل اچاٹ ہونے لگا۔ اس کی طبیعت پر چھائی مردنی سب کے نوٹس میں آنے لگی۔

"کیا بات ہے بیٹا۔ اتنا چپ چپ کیوں رہنے لگی ہو۔" تایا، تائی کے بعد جب دادا نے بھی یہی استفسار کیا تو اس کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

"اس گدھے کا نمبر ملاؤ۔ اس سے کہوں گا کہ فوراً آئے اور تمہیں اپنے ساتھ لاہور لے کر جائے۔"

"مجھے گھر یاد آرہا ہے دادا جان۔" وہ روتے روتے بھی ترنت بولی تھی۔

"تو پھر ملاؤ اپنے باپ کا نمبر۔ وہ بھی کم گدھا نہیں ہے۔ دونوں میاں بیوی ہر دس دن بعد تم سے ملنے یہاں پہنچ جاتے ہیں انھیں تمہارے احساسات کی پروا ہی نہیں۔ شادی کے بعد لڑکی کا دل صرف ماں باپ سے ملنے کے لیے ہی اداس نہیں ہوتا اسے اپنا گھر، گھر کی چیزیں 'اپنا کمرہ' سب یاد آتا ہے۔ کہتا ہوں مصطفیٰ سے کہ آئے اور تمہیں ساتھ لے جائے۔ کچھ دن گھر گزار آؤ تو دل بہل جائے گا۔" دادا جان مشفقانہ انداز میں بول رہے تھے اتنے میں شہریار وہاں آنکلا۔

"ارے ارے سبین موسم کی برسات کیوں ہو رہی ہے۔" وہ ٹھٹھک کر رکا۔

"گھر یاد آرہا ہے۔ میں مصطفیٰ کو فون کرنے لگا ہوں کہ پہلی فرصت میں آئے اور انابیہ کو ساتھ لے جائے۔" دادا جان نے جتایا تھا۔

"یہ بھی کوئی پریشان ہونے والی بات ہے۔ میں صبح خود چھوڑ آؤں گا۔" شہریار نے پیار سے اس کا سر تھپکا تھا۔ وہ سب واقعی اس سے محبت کرتے تھے اس بار اس کی آنکھیں سب کی محبت پر نم ہوئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

گھر آکر واقعی اس کا دل بہل گیا تھا۔ سب سے پہلے تو علیزہ نے ہی اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"کب سے تمہاری منت کر رہی تھی کہ شہر کا چکر لگاؤ۔ مجھے تمہارے ساتھ شاپنگ کرنی ہے اور ڈھیروں کام ہیں جنہیں نمٹانے کے لیے تمہارا ساتھ درکار ہے اور تمہارا وہاں اتنا دل لگا کہ یہاں آنے کا نام ہی نہ لے رہی تھیں۔" علیزہ خفا ہو رہی تھی۔

"اب آگئی ہوں نا۔ کاموں کی لسٹ بناؤ۔ سارے کام نمٹا کر جاؤں گی۔" اس نے اسے تسلی دی تھی اور پھر واقعی اس کا آدھا دن اپنے گھر تو آدھا عمعد چچو کے ہاں گزرتا۔

اس روز بھی وہ علیزہ کے ساتھ شاپنگ پر نکلی تھی۔ خوب تھک کر وہ دونوں "مصطفیٰ ہاؤس" لوٹے۔

"لگتا ہے معد اور موحد بھی پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔" لان میں برپا ہونے والا شور گیٹ کے باہر بھی سنا جا سکتا تھا۔

"فٹ بال کا میچ ہو رہا ہو گا آج کل ہمارے بھائیوں کو فٹ بال کا جنون چڑھا ہوا ہے۔" انابیہ مسکرا کر بولی۔

اس کا اندازہ درست تھا' اندر فٹ بال میچ جاری تھا لیکن لان میں ایک دراز قد کھلاڑی ایسا بھی تھا جس کی موجودگی کی توقع وہ کر ہی نہ سکتی تھی۔

"شہرام واٹ آ سرپرائز۔" انابیہ سے پہلے علیزہ پرجوش ہو کر چیخی۔ شہرام نے گردن موڑ کر دونوں کو دیکھا' مسکرایا اور پھر سیدھے ہوتے ہوئے فٹ بال کو زوردار کک لگائی تھی وہ شاید پینلٹی اسٹروک لینے کھڑا تھا۔ ان دونوں کی آمد سے گول کیپر بنے موحد کی توجہ ہٹی تھی جس کا اس نے فائدہ اٹھایا۔

"یہ فاؤل ہے شہرام بھائی۔" موحد اور سلمان چیخنے لگے۔

"کوئی فاؤل نہیں۔ میں نے مقابلہ برابر کر دیا۔ دو چھوٹوں کو ایک ٹیم میں ڈال کر تم ان سے مقابلہ کر رہے تھے۔ آئندہ ٹیم بناتے وقت یہ بے ایمانی مت کرنا۔" شہرام نے سلمان کے بال بکھیرے تھے پھر علیزہ اور انابیہ کی طرف بڑھ آیا۔

"مجھے دیکھ کر میری مسز ہمیشہ ہوش و حواس کھو بیٹھتی ہیں۔ سلام تک کرنا بھول جاتی ہیں۔ السلام علیکم زوجہ محترمہ اینڈ بیسٹ فرینڈ آف زوجہ محترمہ۔" وہ شرارت بھرے لہجے میں بولا تھا۔

"صرف تمہاری زوجہ محترمہ کی ہی بیسٹ فرینڈ نہیں ہوں۔ کسی زمانے میں تمہاری بھی بیسٹ فرینڈ تھی۔ تم نے تو مجھے ایسے بھلایا کہ مجھے یقین ہی نہیں آتا۔ نہ کوئی فون نہ میسج' سچ اگر تمہاری شادی انابیہ سے نہ ہوئی ہوتی تو میں یہی سمجھتی کہ بیوی آنے کے بعد تم نے آنکھیں بدل لیں۔ اب سمجھ میں نہیں آتا تمہاری اس طوطا چشمی کو کیا نام دوں۔"

علیزہ اس سے شکوہ کر رہی تھی۔ بے تکلفی کا وہی پرانا انداز۔ انابیہ بھی اس کے لہجے میں کسی قسم کی ذو معنویت محسوس نہ کر سکی۔ شہرام بھی اسے ہنستے ہوئے چھیڑ رہا تھا۔ اس وقت وہ صرف اچھے دوست لگ رہے تھے۔ اگر شہرام کو وحیث تصور کر بھی لیا جاتا تو علیزہ کے اتنے نارمل بی ہیویر کو وہ کس کھاتے میں ڈالتی۔ انابیہ نے اسے شہرام کے سامنے 'شہرام کی خاطر بلک بلک کر روتے دیکھا تھا۔ شادی کی تمام تقریبات میں علیزہ کی بھیگی پلکیں انابیہ کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہ سکی تھیں' لیکن وہ جب بھی شہرام کو مخاطب کرتی تھی تو اس کا لہجہ اور انداز بالکل نارمل ہوتا۔ کوئی شخص اتنی شاندار اور جاندار ایکٹنگ کیسے کر سکتا تھا۔ انابیہ کا دماغ بری طرح الجھ رہا تھا۔

"کھڑے کھڑے کہاں کھو جاتی ہو۔ چچی جان آواز دے رہی ہیں۔" شہرام نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔ وہ جیسے یکدم چونکی' علیزہ پہلے ہی برآمدے کی جانب بڑھ چکی تھی وہ بھی شہرام کی معیت میں آگے بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"اور لو نا شہرام یہ پالک پنیر تو خصوصاً" تمہارے لیے ہی بنایا ہے تمہیں بہت پسند ہے نا۔" داماد پہلی بار گھر آیا تھا اور عفیفہ اسے فل پروٹوکول دے رہی تھیں۔

"کھانا بہت لاجواب بنا ہے چچی جان۔ بہت دن بعد اتنا سیر ہو کر کھایا ہے اور روٹیوں کا تو جواب ہی نہیں۔ کیسی گول روٹی ہے۔ کنارے بھی موٹے نہیں اور جلی ہوئی تو بالکل نہیں۔" اس نے سامنے پڑی چنگیر میں سے ایک روٹی اٹھا کر بے ساختہ تعریف کی۔

"لاہور میں بازار کی روٹی کھانا پڑتی ہو گی نا اسی لیے گھر کی روٹی کی قدر آرہی ہے۔" عفیفہ مسکرائی تھیں۔

"نہیں۔ گھر والی کی روٹی یاد آگئی تھی اسی لیے اس روٹی کی قدر آرہی ہے۔" وہ بڑبڑایا تھا مگر بڑبڑاہٹ اتنی بلند ضرور تھی کہ ساتھ والی چیئر پر بیٹھی انابیہ کی سماعتوں تک با آسانی پہنچ گئی تھی۔

"مما! یہ پائے والا ڈونگا بھی تو ادھر کیجئے نا۔ شہرام کو بکرے کے سری پائے بھی بہت پسند ہیں۔" انابیہ نے بھی فوری بدلہ لیا تھا۔

"ارے نہیں نہیں۔ میں پہلے ہی بہت کھا چکا۔ بس بھئی۔" شہرام نے فوراً منع کرنا چاہا۔

"تھوڑا سا تو ٹرائی کیجئے شہرام۔ مما کے ہاتھوں کی بنی نرم نرم روٹی پائے کے شوربے میں بھگو کر کھائیں گے تو کھانے کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔" انابیہ نے اسے مسکرا کر مخاطب کیا۔ شہرام بس اسے بے بسی سے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ناراض تم
ناراض ہم
کیسے مٹیں یہ دوریاں
تم بے خبر

http://famousurdunovels.blogspot.com/

دونوں کی ہیں مجبوریاں

گاڑی میں دھیمے سروں میں جنید جمشید کا بہت پرانا گانا چل رہا تھا۔ وہ شہرام کے ساتھ واپس گاؤں جا رہی تھی۔ یہ شہرام کے ساتھ اس کا پہلا سفر تھا۔ بظاہر اس کی توجہ باہر کے نظاروں پر تھی لیکن اگر اس سے چند سیکنڈ پہلے گزرنے والے منظر کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ کوئی جواب نہ دے سکتی۔ "ناراض" سونگ ختم ہوا تو جنید کا ہی ایک اور گانا شروع ہو گیا۔

دل دروازہ کھولے کب سے کھڑا ہوں
آ تو میرے مہماں آ تو
گھر میں اندھیرا کب سے پڑا ہوں
چاند ستارے لے آ تو
او میرے دل کی پہلی دھڑکن

"کتنا سفر باقی رہ گیا ہے شہرام۔" انابیہ نے گاڑی میں چھایا فسوں توڑنا چاہا تھا۔ شہرام نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی۔

"تم نے کچھ پوچھا ہے؟" وہ اس کی نگاہوں کی تپش سے تھوڑا جزبز ہوئی تھی۔

"میں نے بھی کچھ پوچھا تھا۔ پہلے اس کا جواب تو دو۔" شہرام نے اسے سنجیدگی سے مخاطب کیا تھا۔

"آپ نے کب پوچھا۔؟" وہ حیران ہوئی۔

"میں یہ دوریاں مزید نہیں سہہ سکتا انابیہ۔ پلیز خود کو اور مجھ کو مزید سزا مت دو۔" وہ بے چارگی بھرے لہجے میں بولا تھا۔ انابیہ کچھ لمحوں کے لیے کچھ نہ بول سکی تھی۔

"میں یقین کر ہی نہیں سکتا انابیہ کہ تم نے مجھ سے جو بندھن جوڑا ہے وہ زبردستی کا بندھن ہے ہاں لیکن جب تم نے مجھے یہ بتایا تھا تو میں نے اپنے جذبوں کی سخت توہین محسوس کی تھی میری انا نے گوارا ہی نہ کیا کہ میں دوبارہ تم سے اس موضوع پر بات کروں۔ آہستہ آہستہ مجھے اندازہ ہوا کہ محبت اور انا اکٹھے چل ہی نہیں سکتے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ تم سے میری محبت بڑھتی جا رہی ہے اور انا۔" وہ دل شکستہ انداز میں ہنسا۔

"انا کا کوئی وجود ہوتا تو میں اس وقت اتنے عاجزی بھرے انداز میں تم سے مخاطب نہ ہوتا۔" شہرام کی بات سن کر بھی انابیہ بے تاثر چہرے کے ساتھ بیٹھی رہی۔

"میں تم سے یہ سوال نہیں کروں گا انابیہ! کہ تم نے ماضی میں میرے ساتھ وہ رویہ کیوں اختیار کیا تھا۔ ہو سکتا ہے تمہارا جواب میری مردانہ انا کو گوارا نہ ہو۔ بس ہم ماضی کو فراموش کر دیتے ہیں اور ایک نئی زندگی کی شروعات کرتے ہیں۔ میں فی الحال تم سے تمہاری محبت نہیں مانگ رہا بس تم میری محبت کا یقین کر لو۔ میں تمہیں خود سے محبت کرنے کا ہنر سکھا دوں گا۔"

شہرام بول رہا تھا اور انابیہ اپنے دل سے لڑتے لڑتے تھک چکی تھی اسے خود کو یاد دلانا پڑا تھا کہ وہ باتوں کا بہت بڑا کھلاڑی ہے۔

"خاموش کیوں ہو۔ کچھ تو بولو۔" شہرام کے انگ انگ سے اضطراب جھلک رہا تھا۔

"میں آپ کی محبت کا اعتبار کر لوں شہرام اور کچھ عرصے بعد آپ محبت کا کوئی اور روپ دریافت کر لیں۔ میں آپ کو آپ کی محبت یاد دلاؤں تو آپ کہیں کہ وہ محبت نادانی اور حماقت کے سوا کچھ نہ تھی۔" ایک زہر خند مسکراہٹ چہرے پر سجا کر اس نے شہرام کو مخاطب کیا۔

شہرام کا پاؤں یک لخت بریک پر جا پڑا تھا۔

"اس بکواس کی وجہ دریافت کر سکتا ہوں۔" وہ مسلسل اس کے جذبوں کی توہین کر رہی تھی۔ طیش میں آنا فطری امر تھا۔ انابیہ کو اس کے غصے سے زیادہ اس کی ڈھٹائی پر تعجب ہوا تھا۔ کوئی اور شخص ہوتا تو اتنا کھلا طنز سن کر زرد پڑ کر رہ جاتا۔ وہ اس کے ماضی سے واقف تھی یہ جان کر بھی اس کے چہرے کا رنگ نہ بدلا تھا۔ اس کے چہرے پر صرف بے تحاشا غصہ اور دکھ جھلک رہا تھا۔

"گاڑی چلائیں شہرام! پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔" اس نے اکتا کر شہرام کو مخاطب کیا۔ اس نے بنا کچھ مزید کہے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔ باقی کا پورا سفر

وہ لب بھینچے ڈرائیونگ کرتا رہا تھا۔

✿ ✿ ✿

پھیکے بے کیف دن تھے اور بے چین راتیں۔ شہرام لاہور چلا گیا تھا اور اس بار آنے کا نام ہی نہ لے رہا تھا۔ گھر والے اس سے سخت خفا تھے وہ آخر انابیہ کو اپنے پاس کیوں نہیں بلوا رہا۔

"میری جاب بہت ٹف ہے امی۔ کوئی اسپیشل ڈیوٹی آورز نہیں۔ انابیہ یہاں اکیلی کیسے رہ پائے گی۔" ہر بار اس کا بہانہ یہی ہوتا۔

"تو ٹھیک ہے کچھ دنوں کے لیے میں انابیہ کے ساتھ آجاتی ہوں۔ اس کا دل لگ جائے گا تو میں واپس آجاؤں گی۔" میمونہ اب اس کا کوئی عذر سننے کو تیار نہ تھیں۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ بس کچھ دنوں کی مہلت دے دیں۔ ایک بہت اہم پراجیکٹ چل رہا ہے وہ مکمل ہو جائے تو پھر میں آتا ہوں تب اس موضوع پر بات کریں گے۔" شہرام نے ماں کو پھر ٹال دیا تھا۔

فون بند ہونے کے بعد بھی میمونہ دیر تک بڑبڑاتی رہی تھیں۔ پاس بیٹھی انابیہ کے دل پر بوجھ مزید بڑھ گیا تھا۔ شہرام اس پر کوئی بات آنے نہیں دے رہا تھا وہ خود ماں باپ اور دادا کی ناراضی کا سامنا کر رہا تھا لیکن آخر وہ کب تک بہانے بنا کر سب کو ٹال سکتا تھا۔ یہ سوچ انابیہ کے دماغ کو مزید الجھانے کا باعث بن رہی تھی۔

✿ ✿ ✿

"مصطفیٰ ماموں کے دوست ڈاکٹر خالد اپنی فیملی کے ساتھ ہمارے ہاں کے دو چکر لگا چکے ہیں۔" انابیہ نے علیزہ کی خیریت لینے کو فون کیا تو اس نے روہانسی ہو کر اطلاع دی۔ ڈاکٹر خالد کا شمار مصطفیٰ کے بہت ہی قریبی دوستوں میں ہوتا تھا۔ دونوں کی فیملیز کا بھی ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا تھا اس لیے علیزہ کی بات سن کر انابیہ کو کوئی تعجب نہ ہوا۔ آنٹی روزینہ بہت جلد دوستیاں گانٹھنے والی خوش مزاج خاتون تھیں ضرور انہوں نے ناعمہ پھوپھو سے بھی دوستی گانٹھ لی ہوگی اور ان سے ملنے ان کے گھر چلی گئی ہوں گی۔ ناعمہ پھوپھو کا گھر مصطفیٰ ہاؤس سے زیادہ دور تھوڑی تھا اور یہی بات اس نے علیزہ سے بھی کہہ دی تھی۔

"صرف تمہاری روزینہ آنٹی ہی نہیں آئیں۔ ان کے ساتھ ان کے ہسبینڈ اور ان کا وہ لمبو ڈاکٹر بیٹا بھی ہوتا ہے۔" علیزہ نے جل بھن کر بتایا تھا۔

"اسامہ بھائی کی بات کر رہی ہو۔" انابیہ کو ڈاکٹر اسامہ کے لیے لمبو ڈاکٹر کی اصطلاح سن کر خوب ہی ہنسی آئی تھی۔

"بس لو ڈاؤ مذاق۔ یہاں میری جان پر بنی ہوئی ہے۔ مجھے اس لمبو ڈاکٹر کے ارادے ٹھیک نہیں لگتے سب سے نگاہیں بچا کر وہ مجھے خوب ہی گھورتا ہے۔ لبوں پر مسکراہٹ بھی چپکی رہتی ہے۔ میرا بس نہیں چلتا اس بندے کو اٹھا کر اپنے ڈرائنگ روم سے باہر پھینک دوں۔" علیزہ سخت چڑی بیٹھی تھی۔

"ہائے اللہ علیزہ! ایسے تو مت کہو۔ اگر میں خود اسامہ بھائی کو اچھی طرح نہ جانتی ہوتی تو تمہاری باتیں سن کر کسی چھچھورے سے بندے کا خاکہ قائم کرتی۔ وہ تو بہت ڈیسنٹ اور ڈیشنگ سے شخص ہیں۔" انابیہ نے ڈاکٹر اسامہ کی وکالت کی تھی۔

"بھلے سے ہوں بڑے ڈیسنٹ اور ڈیشنگ لیکن اس کی فیملی کی بار بار آمد مجھے تشویش میں مبتلا کر رہی ہے۔ میں پڑھ لکھ کر اپنا کیریر بنانا چاہتی ہوں اگر ان دونوں کی طرف سے کوئی ایسا ویسا سلسلہ شروع ہو گیا تو میرا کیا بنے گا۔" علیزہ سخت تشویش میں مبتلا ہو رہی تھی۔

"اچھا تم فکر مت کرو میں مما سے پوچھتی ہوں کہ کیا چکر ہے۔ ہو سکتا ہے یہ سب تمہارا وہم ہو۔ خالد انکل پاپا کے بہت اچھے دوست ہیں ہو سکتا ہے بس اسی لیے وہ لوگ پاپا سے ملنے گھر آتے ہوں تو تم لوگوں کی طرف بھی چکر لگا لیتے ہوں آخر ناعمہ پھوپھو بھی تو بہن ہیں پاپا کی۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" علیزہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔

تھی۔ لیکن آئندہ آنے والے دنوں نے ثابت کردیا کہ علیزہ کے خدشے بے بنیاد نہیں تھے۔ ڈاکٹر خالد نے واقعی اپنے لائق فائق ڈاکٹر بیٹے کے لیے علیزہ کا رشتہ مانگ لیا تھا۔ اور آج کل ثاقب پھوپھا اپنی فیملی میں اس حوالے سے صلاح مشورے کرنے میں مصروف تھے۔ امید تھی کہ جلد ہی یہ بیل منڈھے چڑھ جائے گی۔

☆☆☆

رات کافی دیر تک بھی جب [illegible] کروٹیں بدلنے کے باوجود نیند مہربان نہ ہوئی تو وہ اٹھ بیٹھی۔ آج شام کو ہی دادا جان کی اسٹڈی سے الطاف فاطمہ کا ناول اٹھا لائی تھی اب اسی کی ورق گردانی شروع کردی۔ اتنے میں سائیڈ ٹیبل پر دھرا موبائل گنگنایا تھا۔ اس نے موبائل اٹھایا۔ سکرین پر شہرام کالنگ کے الفاظ دیکھ کر اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ یہ اس کے سیل پر آنے والی شہرام کی پہلی کال تھی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے کال ریسیو کی تھی۔

"یہ ڈاکٹر اسامہ کا کیا حدود اربعہ ہے۔ تم جانتی ہو اسے؟" اس کے سلام کا جواب دے کر شہرام نے پہلا سوال یہی پوچھا تھا۔ انابیہ جانے اس کے لبوں سے کیا سننے کی متمنی تھی اس کے ارمانوں پر اوس سی پڑ گئی۔

"پاپا کے بہت اچھے دوست ہیں خالد انکل۔ اسامہ بھائی ان ہی کے بیٹے ہیں۔" اس نے مختصراً جواب دیا۔

"یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ تم یہ بتاؤ بندہ کیسا ہے۔ کیسی عادتیں ہیں کیا وہ ہماری علیزہ کو ڈیزرو کرتا ہے؟" شہرام کے پوچھنے پر پھیکی سی مسکراہٹ انابیہ کے لبوں پر پھیل گئی۔ علیزہ کے لیے شہرام کا اتنا حساس ہونا اس کے گلٹ کو ظاہر کرتا تھا۔

"بظاہر اسامہ بھائی کی شخصیت میں کوئی خامی نہیں۔ پاپا بھی ان کے متعلق ہر طرح کی گارنٹی دینے کو تیار ہیں۔ خالد انکل پاپا کے اتنے اچھے دوست ہیں کہ ان کے گھر یا ان کے بچوں کی کوئی بات پاپا سے چھپی ہوئی نہیں ہو سکتی۔" اس نے شہرام کی تسلی کروائی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ بس یہ ہی پوچھنا تھا۔" شہرام نے لائن منقطع کردی اور وہ کتنی دیر تک بے جان ہاتھوں میں سیل فون لیے بیٹھی رہی۔

☆☆☆

تایا جان، دادا جان اور ثاقب پھوپھا کی فیملی کے دو چار بندے ڈاکٹر اسامہ سے مل کر اس کے حق میں فیصلہ دے چکے تھے۔ خالد انکل کی فیملی کی خواہش پر باضابطہ منگنی کی رسم ادا کی جارہی تھی۔ انابیہ کے پاس علیزہ کے فون پر فون آرہے تھے۔ وہ اسے فوراً اپنے پاس بلا رہی تھی۔ باقی لوگوں نے رسم سے ایک دن پہلے ہی پہنچنا تھا مگر وہ دادا جان اور ڈرائیور کے ہمراہ چار پانچ دن پہلے ہی مصطفیٰ ہاؤس چلی گئی تھی۔ دادا جان تو فوراً ہی [illegible] سے ملنے چلے گئے۔ اس کا کچھ [illegible] کر جانے کا ارادہ تھا۔

"ماموں جان اس دفعہ [illegible] بیٹی میری مہمان ہے اس لیے برائے مہربانی اسے بیگ [illegible] ہمارے گھر چھوڑ جائیے۔" علیزہ نے مصطفیٰ کو [illegible] حکم کی فوری تعمیل کردی گئی تھی۔ ناعمہ کو [illegible] کی آمد سے خاصی ڈھارس ملی تھی۔

"بازاروں کی خاک چھاننے سے عفی کی بھی جان جاتی ہے اور میری بھی۔ اب تم آگئی ہو تو اپنی سہیلی کی شاپنگ خود ہی نمٹاؤ۔" ناعمہ نے شاپنگ کا ڈیپارٹمنٹ اس کے سپرد کردیا۔

"میں کہتی تھی نا تم سے اس گھونچو ڈاکٹر کی نیت میں فتور ہے ایسے ہی تو گھوریاں نہیں مارتا تھا مجھے۔" رات کو جب تنہائی میسر آئی تو علیزہ نے اس کے سامنے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

"شہرام کا فون آیا تھا۔ اسامہ بھائی کے متعلق انویسٹی گیشن کررہے تھے۔ پوچھ رہے تھے کہ وہ بندہ تمہیں ڈیزرو کرتا بھی ہے یا نہیں۔" انابیہ علیزہ کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے

دھیرے سے بولی تھی۔ علیزہ کے چہرے پر زخمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں نے شہرام جیسے مخلص دوست کو بہت ستایا ہے۔ اوپر سے اتنے دن اسے ٹینشن میں مبتلا رکھا۔ اسے تسلی دے دینا کہ اسامہ واقعی بہت اچھا بندہ ہے۔ امید ہے وہ علیزہ کے دل کو پھر سے دھڑکنا سکھا دے گا۔"

علیزہ دھیرے سے بولی تھی۔ انابیہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اسے تکنے لگی۔ وہ علیزہ سے اس قسم کی بات کی ہرگز توقع نہ کررہی تھی۔ کیا علیزہ کو علم تھا کہ انابیہ کو سب پتا ہے، وہ کتنی آسانی سے اس کے سامنے اظہار کرگئی تھی۔

"اتنا حیران کیوں ہورہی ہو کیا شہرام نے آج تک تمہیں کچھ نہیں بتایا۔ وہ تو تمہیں اپنی زندگی کہتا ہے، تم سے کب کوئی بات چھپائی ہوگی۔" علیزہ مسکراتے ہوئے اس سے مخاطب تھی۔ انابیہ نے نفی میں گردن ہلادی۔ علیزہ اب آگے کیا کہنے لگی تھی وہ دم سادھے اس کی بات سننے لگی۔

"پھر تو واقعی شہرام بہت وفادار اور با اعتماد دوست ثابت ہوا ہے۔ اسے دوستی نبھانے پر سو میں سے سو نمبر ملنے چاہیے۔" علیزہ نے شہرام کی تعریف کی۔ انابیہ اسے نا سمجھی سے تکنے لگی۔

"لیکن شاید میں اتنی اچھی دوست [illegible] ہوں۔ تمہیں اپنا بیسٹ فرینڈ کہتی ہوں [illegible] ایک گوشہ تم سے بھی چھپایا۔" علیزہ نے گہری سانس [illegible] کھینچتے ہوئے خود کلامی سی کی۔

"لیکن آج [illegible] تمہاری ضرورت ہے انابیہ! مجھے ایسا کندھا چاہیے جس پر سر رکھ کر میں اپنی گزشتہ محبت کے لیے سارے آنسو بہا [illegible] شہرام صحیح کہتا تھا وہ محبت بچپن کی حماقت کے سوا کچھ نہیں تھی لیکن میرے دل میں اس محبت کی جڑیں بہت دور دور تک پھیل چکی تھیں۔" علیزہ کے آنسو گالوں پر بہہ رہے تھے۔ وہ اس وقت خود اذیتی کی انتہا پر تھی اس کی کھوئی کھوئی باتوں میں ربط نہ تھا لیکن انابیہ کا رواں رواں اس کی طرف متوجہ تھا۔

"شہرام نے بہت بچپن میں کبھی مرتضیٰ ماموں اور میمونہ پھوپھو کی باتیں سن لی تھیں۔ وہ باتیں میرے اور شہیار کے مستقبل سے متعلق تھیں۔ میں میمونہ پھوپھو کی بھتیجی بھی تھی اور ایک لحاظ سے بھانجی بھی۔ وہ مستقبل میں میرے ساتھ تیرا رشتہ جوڑنے کی خواہشمند تھیں۔ مرتضیٰ ماموں تو خیر میرے پیارے ماموں تھے ہی بیوی کی بات پر انہیں کیا اعتراض ہوتا تھا انہوں نے ہنستے ہنستے پھوپھو کی تجویز کی تائید کردی۔ کاش شہرام اس روز اپنے امی ابو کی وہ باتیں نہ سنتا۔ وہ میرا بچپن سے ہی بہت اچھا دوست تھا۔ شہیار بھائی اور میرے رشتے کے متعلق ماموں اور پھوپھو نے جو بھی باتیں کیں، وہ شہرام نے مجھے من و عن بتادیں۔ کچی عمر میں جو خواب آنکھوں میں بس جائیں وہ اتنی آسانی سے انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ یہ جان کر کہ مجھے شہیار کی زندگی کا حصہ بننا ہے میں شہیار کو چاہنے لگی۔ شہرام بھی اس حوالے سے مجھے خوب ہی چھیڑتا مگر وہ میری نسبت جلد سمجھ دار ہوگیا۔ مصطفیٰ ماموں اور عفیفہ مامی کے حالات زندگی سے آگاہی کے بعد وہ مجھے سمجھانے لگا تھا کہ میں شہیار کے حوالے سے اتنا سیریس نہ ہوں۔ گھر میں یہ قصہ دوبارہ نہیں چھیڑا گیا تھا۔ شہرام کو ڈر تھا کہ اگر یہ رشتہ طے نہ پایا تو میرے دل کو بہت دھچکا لگے گا اور اس کا خدشہ صحیح ثابت ہوا شہیار نے یمین کو جیون ساتھی کے طور پر منتخب کرلیا اور میں [illegible] رہ گئی۔"

علیزہ کے رونے کی شدت میں اضافہ ہوگیا۔

انابیہ کا چہرہ [illegible] کی مانند سفید ہورہا تھا۔

"شہرام مجھے سمجھاتا تھا کہ اللہ نے میرے مقدر میں کسی بہت اچھے بندے کا ساتھ لکھا ہوگا۔ مگر میرے دل کو قرار نہ آتا تھا۔ میں اپنی فرسٹریشن میں اس پر چڑھ دوڑتی تھی۔ اس کی وجہ سے میرے دل میں شہیار بھائی کی چاہت بیدار ہوئی۔ میں قسمت کی ستم ظریفی کو بھی اس کا قصور بتا کر اس کے کندھوں پر تھوپ دیتی [illegible] مجھے ہمیشہ یقین دلاتا کہ میں محبت کے معاملے میں [illegible] نہیں رہوں گی۔ شہیار کی محبت

http://famousurdunovels.blogspot.com/
Famous Urdu Novels

میری قسمت میں نہیں ہے تو نہ سہی اللہ مجھے کسی اور شخص کی چاہت سے ضرور سرفراز کرے گا اور دیکھو اس کا کہا سچا ثابت ہوا۔" علیزہ کی بھیگی آنکھیں مسکرائی تھیں۔

"تم لوگوں کے لان میں ڈاکٹر صاحب سے ایک حادثاتی ٹکر ہو گئی اور وہ کہتے ہیں کہ اس ٹکراؤ کے نتیجے میں ان کے دل کے ساتھ حادثہ ہو گیا۔ ڈاکٹر اسامہ کی سب سے اچھی بات ہی مجھے یہ لگی کہ اس نے مجھے پسند کیا اور سیدھے اپنے والدین کو ہمارے گھر بھیج دیا۔ مجھے اس کی سچائی پر یقین آگیا۔ دعا کرنا اس کی محبت پر بھی یقین آجائے اور اس کی محبت مجھے بھی محبت کرنا سکھا دے۔" علیزہ دھیرے سے بولی۔

"تم ان شاء اللہ ڈاکٹر اسامہ کے ساتھ بہت خوش رہو گی علیزہ۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

انابیہ کی اپنی آنکھیں چھلکنے کو بے تاب تھیں مگر اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے علیزہ کے ہاتھ تھام کر اسے بہت خلوص سے دعا دی تھی۔ علیزہ اب واقعی پرسکون تھی اس نے اپنے سارے آنسو انابیہ کے کندھے پر سر رکھ کر بہا لیے تھے۔ اب انابیہ علیزہ کے سونے کی منتظر تھی۔ ابھی اسے بھی اپنی بے وقوفیوں اور حماقتوں پر جی بھر کر آنسو بہانے تھے لیکن وہ یہ آنسو کسی اور کے سامنے نہ بہانا چاہتی تھی کم از کم علیزہ کے سامنے تو بالکل نہیں۔

☼ ☼ ☼

منگنی علیزہ کی ہو رہی تھی اور تیاری پر سارے ارمان انابیہ نکال رہی تھی۔ تازہ ترین اطلاع یہ تھی کہ شہرام منگنی کا فنکشن اٹینڈ کرنے پہنچ رہا ہے۔ وہ بائی ایئر آرہا تھا۔ انابیہ کا رواں رواں اس کا منتظر تھا۔ قدرت نے کتنے پیارے شخص کو اس کا ہم سفر بنایا تھا اور وہ کتنے عرصے سے اس پیارے شخص کے پیار کی توہین کرتی آرہی تھی۔ وہ کتنا وسیع القلب اور اعلا ظرف تھا' اس کی بدتمیزیاں نظرانداز کر کے مسلسل اسے اپنی چاہت کا یقین دلانے میں مصروف رہا۔

کتنا غلط سمجھتی رہی وہ اسے۔ اس کے بارے میں کیسے کیسے اندازے اور قیافے لگائے۔ چند ادھوری باتوں کا غلط مفہوم اخذ کر کے کس قدر حماقت کا ثبوت دیا اور اب وہ کس منہ سے اپنی حماقتوں کا اعتراف کرے گی۔ وہ بہت اچھا سا تیار ہونا چاہتی تھی علیزہ کی منگنی کے لیے نہیں بلکہ اپنے محبوب اور اپنے شوہر کے سواگت کے لیے۔ اس کی نگاہیں بے کلی سے شہرام کو کھوج رہی تھیں اور پھر وہ آگیا تھا لیکن آج وہ ہمیشہ کی طرح فریش نہ لگ رہا تھا۔ وہ بہت تھکا تھکا اور نڈھال سا لگ رہا تھا۔ انابیہ منتظر رہی کہ اسے دیکھ کر شہرام کی نگاہوں میں بتاشے [illegible] ابھریں۔ وہ جانے کیوں بھول گئی کہ اس نے شہرام کو ایسا کوئی حق دیا ہی کب تھا۔ وہ اس سے ملا ضرور تھا۔ سلام دعا کی حال احوال بھی دریافت کیا اور بس۔

انابیہ کی ذات کے لیے اس کا یہ احسان ہی بہت بڑا تھا وہ گھر والوں کے سامنے اس کی ذات کا بھرم قائم رکھتا تھا۔ اس نے علیزہ اور اسامہ کو جو گفٹس دیے ان پر مسٹر اینڈ مسز شہرام لکھا تھا۔ انابیہ کی پلکیں جھک گئیں۔ وہ خود کتنی ان معمولی باتوں کو سوچوں کے تانے بانے میں گم، یہ خیال تک نہ آیا کہ اسے بھی علیزہ اور اسامہ کو کوئی گفٹ بھی دینا چاہیے۔ گیجڑ میاں پر اسے اس وقت بہت پیار آیا تھا۔ فنکشن بھرپور رہا تھا۔ ڈنر کے بعد مہمان رخصت ہونے لگے تو انابیہ کی متلاشی نگاہوں نے شہرام کو ڈھونڈنا چاہا۔ وہ اسے بہت دیر سے نظر نہ آیا تھا اور جب گردوپیش میں وہ اسے کہیں تلاش نہ کر پائی تو اس نے شہریار بھائی سے شہرام کی بابت استفسار کیا۔

"وہ تو چلا گیا۔ تمہیں نہیں پتا۔" شہریار بھائی الٹا حیران ہوئے تھے۔

"چلے گئے پر کہاں۔" انابیہ کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔

"اتفاق سے لاہور واپسی کی فلائٹ مل گئی۔ کل اس کی بہت امپورٹنٹ میٹنگ ہے نا۔ لیکن کیا وہ تمہیں بتا کر نہیں گیا۔" شہریار بھائی حیران ہو کر پوچھ رہے تھے۔

"بتایا تھا میں نے سمجھا مذاق کر رہے ہیں۔" انابیہ نے پلکیں جھپک جھپک کر آنسو روکے۔

"میں فون کر کے کان کھینچوں گا اس کے تم فکر ہی نہ کرو۔" شہریار بھائی نے اسے تسلی دی۔ وہ آنسو پینے کی کوشش کرتے ہوئے محض سر ہی ہلا پائی تھی۔

☼ ☼ ☼

اگلے ویک اینڈ تک اس نے شہرام کا شدت سے انتظار کیا تھا مگر انتظار انتظار ہی رہا۔

"مجھے لاہور جانا ہے تایا جان۔" اتوار کے دن جب پوری فیملی دوپہر کے کھانے پر اکٹھی تھی اس نے مرتضیٰ کو مخاطب کیا۔

"ہاں بیٹا! اس بار شہرام آئے گا تو ہم نے تمہیں اس کے ساتھ بھیجنا ہی ہے۔ میں نے اور تمہاری تائی جان نے فیصلہ کر لیا ہے۔" تایا جان مطمئن سے انداز میں بولے تھے۔

"مجھے کل ہی جانا ہے۔" وہ دھیرے سے بولی تھی۔ آنسوؤں کا گولہ حلق میں اٹکا تھا۔

"کل؟ مگر بیٹا۔" میمونہ نے حیرت سے اسے دیکھا پھر کچھ سمجھانا چاہا۔

"ہم دونوں کی بہت سخت لڑائی ہو گئی ہے۔ وہ مجھ سے خفا ہو کر گئے ہیں۔ مجھے انہیں منانے جانا ہے۔" وہ بچوں کی طرح بتاتے ہوئے رو رہی تھی۔ دسترخوان کے گرد بیٹھے لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اس کی یہ ہمت کہ وہ تم سے لڑائی کرے۔ ذرا آنے دو اسے خوب کان کھینچوں گا اس کے۔" مرتضیٰ نے اسے تسلی دی۔ اس گھر کے لوگ اس کے میاں کے کان کھینچنے کے ہی درپے رہتے تھے۔ انابیہ کو رونا آگیا۔

"اچھا تم پریشان مت ہو۔ شہریار تمہیں لاہور چھوڑ آئیں گے اس طرح شہرام کو بھی اچھا سرپرائز ملے گا۔" ہمدرد فطرت کی مالک بیگم نے فوراً اس کی تجویز کی تائید کر دی۔

"پرامس شہریار بھائی! آئندہ کبھی آنے جانے کے لیے آپ کو بالکل تنگ نہیں کروں گی۔" انابیہ نے جھٹ آنسو پونچھ ڈالے تھے۔

"پاگل ہو بالکل۔" شہریار بھائی ہنس پڑے تھے۔

☼ ☼ ☼

علی الصبح وہ اور شہریار بھائی گاؤں سے نکل پڑے تھے۔ گاڑی ملتان شہر کی حدود میں داخل ہوئی تو شہریار بھائی نے اس سے گھر جانے کے متعلق پوچھا۔

"مصطفیٰ ماموں وغیرہ سے ہائے ہیلو کرنی ہے تو تھوڑی دیر کے لیے چلیں وہاں۔"

"نہیں شہریار بھائی! بہت لمبا سفر طے کرنا ہے میں مزید دیر نہیں کرنا چاہتی۔" وہ دھیرے سے بولی تھی۔

ایک طویل تھکا دینے والے سفر کے بعد جب وہ لاہور پہنچے تو انابیہ کو آج صحیح معنوں میں شہرام کی تھکن کا خیال آیا۔ کتنی تھکا دینے والی ڈرائیو کے بعد وہ حویلی پہنچتا تھا اور انابیہ اسے پانی کا گلاس دینا تو دور کی بات سیدھے منہ بات تک نہ کرتی تھی۔ پچھتاووں کا کوئی انت نہ تھا۔

"اب تو لاہور کی حدود میں داخل ہو چکے۔ اب انفارم کر دوں اسے۔" شہریار نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اگر ہم سیدھے اپارٹمنٹ چلیں تو؟" انابیہ نے دھیرے سے پوچھا۔

"گھر لاکڈ ہو گا۔ چابی شہرام کے پاس ہو گی اور شہرام ابھی تک آفس میں ہو گا۔" شہریار بھائی نے صورت حال واضح کی۔

"بس پھر پہلے ان کے آفس چلیں۔ چابی لے کر گھر چلیں گے۔"

انابیہ نے فوراً فیصلہ کیا۔ شہریار بھائی نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ آدھے گھنٹے کی مزید ڈرائیو کے بعد وہ اس کے آفس پہنچ چکے تھے۔ شہریار بھائی نے شہرام کو کال ملائی۔

Famous Urdu Novels
http://famousurdunovels.blogspot.com/

"ہم تمہارے آفس کے نیچے پارکنگ میں موجود ہیں۔ نیچے آرہے ہو یا ہم اوپر آجائیں۔ ہمیں تمہارے اپارٹمنٹ کی چابی درکار ہے۔" شہریار بھائی متبسم لہجے میں چھوٹے بھائی سے پوچھ رہے تھے۔ یہ ساری سچویشن انہیں بھی مزہ دے رہی تھی۔

"ہم کا مطلب ہم؟" دوسری جانب سے کچھ استفسار کیا گیا تو شہریار بھائی مسکرا کر بولے تھے۔

"ابے یار! مذاق نہیں کر رہا۔ میں انابیہ کو لے کر آیا ہوں۔ سخت تھکے ہوئے ہیں۔ فٹافٹ چابی لے کر آؤ نیچے۔" شہریار بھائی نے آرڈر دے کر کال ڈسکنکٹ کر دی۔

"ابھی دیکھنا، سر کے بل چلتے ہوئے آئیں گے سرکار تمہارے۔" وہ اب انابیہ کو چھیڑ رہے تھے۔ انابیہ جھینپ کر ہنس پڑی۔

دو منٹ کے اندر اندر وہ واقعی ہانپتا کانپتا پارکنگ میں موجود تھا۔ شہریار بھائی گاڑی سے اتر کر اس سے گلے ملے تھے، وہ بے یقینی سے کبھی شہریار بھائی کو اور کبھی گاڑی کے اندر بیٹھی انابیہ کو دیکھ رہا تھا۔ انابیہ نے اسے فارمل ڈریسنگ میں بہت کم دیکھا تھا اور اس وقت وہ اسے حد سے زیادہ ڈیشنگ لگ رہا تھا۔

"آنے سے پہلے انفارم تو کر دیتے۔" وہ ابھی تک ان کی آمد پر بے یقین سا تھا۔

"گھر سے کسی نے فون کر کے کچھ نہیں بتایا۔" شہریار بھائی ہنستے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"صبح سے سب مجھے باری باری فون کر چکے ہیں لیکن آپ لوگوں کے آنے کا کسی نے نہیں بتایا۔" وہ کچھ ناراضی سے گویا ہوا۔

"اچھا چابی دو یار! باقی باتیں گھر جا کر ہوں گی۔" شہریار بھائی کے کہنے پر اس نے انہیں چابی تھمائی تھی۔

"آپ لوگ چلیں۔ میں بھی بس تھوڑی دیر تک پہنچتا ہوں۔" اس نے مخاطب شہریار بھائی کو کیا تھا اور تیکھی نگاہ انابیہ کے چہرے پر ڈالی تھی۔ اور وہ تو اس پر ایک نگاہ ڈالنے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہی نہ ہوئی تھی۔ اب بھی ہینڈ بیگ کی زپ کھولے جانے اس میں کیا تلاش کرنے میں مصروف تھی۔

☼ ☼ ☼

یہ ایک انتہائی پھوہڑ شخص کا اپارٹمنٹ تھا۔ بے ترتیبی اور بدسلیقگی کی کوئی حد ہی نہ تھی۔ ان لوگوں کے گھر پہنچنے کے ٹھیک پچیس منٹ بعد شہرام بھی گھر پہنچ چکا تھا اور اب بوکھلائے ہوئے انداز میں گھر کی چیزیں سمیٹ رہا تھا۔ شہریار بھائی لمبی ڈرائیونگ کے بعد تھک چکے تھے اور اب صوفے پر نیم دراز تھے۔ انابیہ سنگل صوفے پر مطمئن انداز میں بیٹھی اپنے شوہر کی پھرتیاں ملاحظہ کر رہی تھی۔

"گھر کی چیزیں بعد میں سمیٹ لینا یار! پہلے کچھ کھانے کو لاؤ۔ بہت بھوک لگی ہے۔" جب اسے خود میزبانی نبھانے کا خیال نہ آیا تو شہریار بھائی کو اس جانب توجہ مبذول کروانی پڑی۔

"کیا کھائیں گے؟" شہرام نے بے چارگی سے پوچھا۔

"انابیہ سے پوچھو۔" شہریار بھائی نے لمبی سی جمائی لی۔

"کیا کھاؤ گی؟" شہرام نے کھلے انداز میں اسے مخاطب کیا۔

"جو بھی گھر میں پکا ہو گا۔" انابیہ یکدم مخاطب کیے جانے پر گڑبڑا سی گئی تھی۔

"گھر میں نہ کچھ پکا ہوا ہے نہ کچھ پکتا ہے، جو کہو گی، بازار سے لا دوں گا۔" وہ چبا چبا کر بولا تھا۔

"اونہوں شہرام! میں سویا نہیں ہوں، بچی کو کیوں ڈانٹ رہے ہو۔" آنکھیں موندے شہریار بھائی شہرام کو ٹوکے بنا نہ رہ پائے۔ شہرام جھنجلاتا ہوا کھانا لینے چلا گیا تھا۔

کھانے کے بعد انابیہ نے ازراہ مہربانی برتن سمیٹ لیے تھے لیکن جب یہ برتن کچن میں رکھنے گئی تو کچن کی حالت دیکھ کر سر چکرا گیا۔ پورے گھر میں جو ابتری پھیلی ہوئی تھی، کچن میں اس سے ڈبل ابتری تھی۔

"ایسے کھڑی کیا انسپکشن کر رہی ہو۔" یکدم شہرام

پیچھے سے آکر غرایا۔ انابیہ ڈر کر پیچھے ہٹی۔

"چائے بنانے کا سوچ رہی تھی، سر میں درد ہو رہا ہے۔" نرم خو سے شہرام کے یہ بگڑے اکھڑے تیور انابیہ کا دل دہلا رہے تھے۔

"پتی ختم ہے، نئی پیکٹ بھی نہیں ہیں۔ سو جاؤ جا کر سر کا درد خود ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے انابیہ کو رکھائی سے مخاطب کیا۔ انابیہ لب کچلتی آنسو پیتی کچن سے باہر نکل گئی۔

"کوئی فالتو میٹرس ہے تو مجھے یہاں لاؤنج میں ڈال دو یار۔" شہریار بھائی اب سونے کے موڈ میں تھے۔

"ایک منٹ بھائی۔ ذرا نیچے مارکیٹ سے چائے کی پتی لے آؤں پھر آپ کے سونے کا انتظام کرتا ہوں۔" شہرام کہہ کر پھر گھر سے نکل گیا تھا۔ انابیہ نے میٹرس ڈھونڈ کر لاؤنج میں شہریار بھائی کے سونے کا انتظام کر دیا تھا اور خود بیڈ روم میں چلی آئی۔

بیڈ روم نسبتاً صاف تھا۔ اس نے سکون کا سانس لیا۔

"کیوں آئی ہو تم یہاں...؟" تھوڑی دیر میں شہرام دو چائے کے کپ ٹرے میں سجائے بیڈ روم میں پہنچ گیا تھا۔ انابیہ نے تصویر واپس سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور ٹرے میں سے ایک چائے کا کپ اٹھا لیا۔ شہرام کا سوال گویا اس نے سنا ہی نہ تھا۔

"گھر والوں سے جھوٹ کیوں بولا کہ میں نے تمہیں بلایا ہے۔ صبح سے گھر کا ہر بندہ فون کر کے مجھے ڈانٹ رہا ہے۔" وہ اس پر مزید بگڑا تھا۔ انابیہ چپ کر کے چائے کے سپ لیتی رہی۔

"کل میں آفس سے چھٹی لے لوں گا۔ تمہیں مینار پاکستان اور بادشاہی مسجد کی سیر کروا دوں گا اور کل ہی تم شہریار بھائی کے ساتھ واپس جاؤ گی، رائٹ۔"

"میں یہاں مینار پاکستان کی سیر کرنے نہیں آئی۔" اس بار انابیہ کو بھی غصہ آگیا۔

"پھر کس لیے آئی ہو؟" شہرام جواباً اس سے زیادہ غصے میں آیا۔

"آہستہ بولیں، باہر شہریار بھائی سو رہے ہیں۔ انہوں نے صبح صبح واپس جانا ہے۔ زمینوں کا کوئی مسئلہ ہے، کہہ رہے تھے فجر پڑھتے ہی نکل لیں گے۔" انابیہ نے اسے آگاہ کیا تھا۔ شہرام اسے لب بھینچے گھورنے لگا تھا۔

"مجھے بھی نیند آرہی ہے۔ میں سونے لگی ہوں۔" اس کی نگاہوں کی تاب نہ لا کر انابیہ نے سونے کی ہی ٹھانی تھی۔ شہرام بھناتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

صبح شہرام نے اسے جھنجوڑ کر اٹھایا تھا۔

"تم واقعی گھوڑے گدھے بیچ کر سوتی ہو۔ کب سے آوازیں دے رہا تھا تمہیں۔" وہ سخت جھنجلایا ہوا لگ رہا تھا۔ انابیہ کے لبوں پر پھیکی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اسے بتا ہی نہ سکی کہ کتنے عرصے بعد رات کو اسے ایسی گہری اور پرسکون نیند آئی ہے۔

"میں آفس جا رہا ہوں۔ ناشتے کا سامان کچن میں رکھا ہے، ناشتہ کر لینا۔" شہرام کے بتانے پر انابیہ نے ذرا چونک کر اس کا جائزہ لیا۔ وہ واقعی آفس جانے کے لیے تک سک سے تیار تھا۔

"شہریار بھائی نے ناشتہ کر لیا؟" اس نے پوچھا تھا۔ کل کی بات اور تھی آج سے وہ واقعی گھر کی ذمہ داریاں نبھانے کا عزم کیے ہوئی تھی۔

"شہریار بھائی کو لاہور کی حدود سے نکلے ہوئے بھی گھنٹہ ہو گیا ہو گا۔" شہرام نے کھلے لہجے میں آگاہ کیا۔

"شہریار بھائی چلے گئے اور اب آپ بھی آفس جا رہے ہیں۔" ایک لمحے کو انابیہ یہ سوچ کر گھبرائی تھی کہ اب اسے گھر میں اکیلا رہنا پڑے گا۔

"ظاہر ہے مجھے آفس ہی جانا ہے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں جتایا تھا۔

"تو ٹھیک ہے نا، آپ جائیں۔ دیر کیوں کر رہے ہیں۔ میں ناشتہ کر لوں گی۔" وہ ایسے اطمینان سے بولی جیسے شہرام اس کے ناشتے کے انتظار میں ہی کھڑا ہے۔ شہرام اسے گھورتا ہوا چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے

Famous Urdu Novels
http://famousurdunovels.blogspot.com/

بعد انابیہ کتنی دیر تک سر پکڑے بیٹھی رہی۔ جو فاصلے ان دونوں کے درمیان حائل ہو چکے تھے انہیں مٹانا اتنا بھی آسان نہ تھا۔ پھر وہ گہری سانس لیتے ہوئے اٹھی تھی ہاتھ منہ دھو کر کچن کا رخ کیا۔ ناشتے کے سب لوازمات موجود تھے۔ ڈٹ کر ناشتہ کرنے کے بعد اس نے گھر سمیٹنا شروع کر دیا۔ ڈھائی تین گھنٹے کی محنت کے بعد بکھری چیزیں کسی حد تک ٹھکانے لگ چکی تھیں۔ گھر کے کونے کھدرے سے کوئی نہ کوئی ان دھلا کپڑا ملا تھا۔ [illegible] سرف بھی موجود تھا۔ وہ ٹب میں سرف کا جھاگ بنا کر شرٹس، موزے اور بنیانیں دھونے لگی تھی اور [illegible] شہرام چلا آیا۔

"یہ کیا کر رہی ہو تم۔" وہ ناراضی سے بولا تھا۔

"وارڈروب میں آپ کی ایک بھی دھلی بنیان نہیں نہ ہی کوئی موزے کی جوڑی ہے۔ میں نے سوچا کچھ جرابیں اور بنیان دھو کر ڈال دوں۔ پھر دو تین شرٹس ملیں تو یہ بھی بھگو دیں۔" اس نے تفصیلی جواب دیا۔ شہرام کچھ نہ بولا بس اسے گہری نگاہوں سے دیکھتا رہا تھا۔

"آپ آفس سے اتنی جلدی کیسے آ گئے؟" انابیہ اس کی نگاہوں سے خائف ہوئی۔

"ہاتھ دھو کر فوراً آؤ میرے پاس۔" وہ اس کی بات کا جواب دیے بنا آرڈر دے کر چلتا بنا تھا۔ انابیہ نے حکم کی تعمیل کی۔

"اب بتاؤ۔ کیوں آئی ہو۔ امی نے بھیجا ہے نا۔" وہ اس بار نرمی سے استفسار کر رہا تھا۔ انابیہ نے دھیرے سے نفی میں گردن ہلا دی۔

"پھر یقیناً گرینڈ پا نے مجبور کیا ہو گا تمہیں یہاں آنے پر۔" وہ قیاس کے گھوڑے دوڑا رہا تھا۔

"مجھے کسی نے نہیں بھیجا۔ میں خود آئی ہوں۔" انابیہ نے اس کے اندازوں کی نفی کی۔

"وہی تو پوچھ رہا ہوں کیوں؟" وہ پھر تیز ہوا۔

"میں نے گول روٹی بنانا سیکھ لی ہے۔ میں آپ کے لیے کھانا بنایا کروں گی۔ آپ کے کپڑے پریس کروں گی۔ گھر کی چیزیں سلیقے سے سمیٹ کر رکھوں گی بس آپ مجھے اپنے پاس رہنے کی اجازت دے دیں۔ مجھے واپس چھوڑ کر آنے کی بات مت کیجیے گا۔" انابیہ جیسے اس کے دل کی بات پا گئی تھی۔

"میرے اعصاب کا مزید امتحان مت لو انابیہ! میں پہلے ہی بہت ٹوٹ چکا ہوں۔ تمہارے ایک روپ سے سمجھوتا کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ تم دوسرا روپ لیے سامنے آ جاتی ہو۔ میں یہ پہیلیاں بوجھنے کے مزید موڈ میں نہیں ہوں۔ آج تم اپنے دل کی ہر بات مجھ سے صاف صاف کہہ ڈالو۔ سننے کا حوصلہ ہے مجھ میں۔" وہ ٹوٹے بکھرے لہجے میں بولا۔

انابیہ کے ضبط کے بندھن بھی ٹوٹ گئے۔ وہ چپ رہ کر اپنا مزید نقصان نہ کر سکتی تھی۔ اس نے روتے روتے اپنی حماقتوں اور بے وقوفیوں کی الف سے ے تک ساری تفصیل سنا دی تھی۔

"مجھ سے زیادہ احمق اور بے وقوف اس روئے زمین پر کوئی نہیں شہرام! مجھے آپ کے ظرف پر حیرت ہوتی ہے۔ مجھ جیسی عورت کو تو چوٹی سے پکڑ کر گھر سے نکال باہر کرنا چاہیے تھا اور آپ میرے ناز نخرے برداشت کرتے ہوئے مجھے منانے کی کوششوں میں ہی لگے رہے۔" وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ اپنی حماقتوں پر خود کو ملامت کر رہی تھی اور شہرام اس کے آنسو دیکھ کر بے چین ہوئے جا رہا تھا۔

"اب بس کرو اور کتنا ہلکان کرو گی خود کو۔" شہرام نے اس کے آنسو پونچھے تھے۔

"آپ مجھے معاف کر دیں گے نا شہرام۔" وہ بہت آس سے پوچھ رہی تھی۔

"ایک شرط پر۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"وہ کیا؟" انابیہ ہمہ تن گوش تھی۔

"آئندہ میں تمہارے منہ سے ایسی کوئی فضول بات نہ سنوں۔" اس نے تنبیہہ کی۔

"کیسی فضول بات۔" انابیہ قطعاً نہ سمجھی تھی۔

"وہی چوٹی سے پکڑ کر گھر سے نکالنے والی بات۔ تم میرے دل کی ہر دھڑکن میں بستی ہو۔ تم سے محبت کرنا میرا اختیاری فعل نہیں۔ میں مجبور ہوں تم سے

محبت کرنے پر اور میں ہمیشہ سے یہ بھی جانتا تھا کہ محبت کے اس سفر میں میں تنہا نہیں ہوں۔ میں تمہاری آنکھوں میں جب بھی جھانکتا تھا مجھے اپنا ہی عکس نظر آتا تھا۔ تمہارے ایٹی ٹیوڈ کی صرف ایک ممکنہ وجہ میرے ذہن میں آئی تھی، مجھے لگتا تھا کہ تم اپنے پیرنٹس کی ان اسٹیبل لائف کی وجہ سے عدم تحفظ کا شکار ہو۔ مصطفیٰ چاچو نے جوانی میں عفیفہ چچی کو ان کا جائز حق نہ دیا۔ مجھے لگتا تھا کہ تم ہر مرد کو اسی کسوٹی پر رکھتی ہو۔ تمہاری اس نفسیاتی گرہ کو کھلوانے کے لیے میں عنقریب کسی سائیکاٹرسٹ سے رجوع کرنے لگا تھا۔"

"یعنی دوسرے الفاظ میں آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ آپ مجھے پاگل سمجھنے لگے تھے۔" اس نے تیوریاں چڑھا کر شہرام کو گھورا۔

"پاگل تو تم نے مجھے بنا رکھا تھا۔ پہلے ہوش اڑاتی تھیں پھر منہ دھو کر مزے سے سو جاتی تھیں۔ شادی پر میرے [illegible] ولیمے والی رات پھر کی ہوا اور علیزہ کی [illegible] میں اگلے روز کی چھٹی لے کر آیا تھا لیکن اس روز تم [illegible] حسین لگ رہی تھیں کہ مجھے خدشہ ستایا کہ اگر میں رات [illegible] اور منہ دھونے والی پریکٹس جاری رکھی تو میں [illegible] کر کوئی بڑا [illegible] گھر کو آگ لگا دوں گا بس اسی لیے اپنی میٹنگ کا بہانہ کر کے واپسی کی ٹھانی حالانکہ مجھے واپسی کی فلائٹ نہیں مل سکی تھی۔ بائی روڈ آنا پڑا تھا۔" وہ [illegible] ہوئے بتا رہا تھا۔

"میں [illegible] سے پاؤں تک آپ کے لیے ہی سنوری تھی۔" انابیہ نے اس کے کندھے سے سر ٹکا کر اعتراف کیا۔ اس [illegible] اضافہ ہی ہو گیا۔

"تم مجھے ہر روپ میں ہی [illegible] لگتی ہو۔ یقین کرو اس وقت اس سڑے ہوئے حلیے [illegible] کام کرنے والی ماسی لگ رہی ہو پھر بھی سیدھا دل میں اتر رہی ہو۔"

اب شہرام اسے چھیڑ رہا تھا لیکن انابیہ شرمندہ ہوتے ہوئے اس سے کچھ پرے ہٹی تھی۔ گھر کی صفائی ستھرائی کے بعد اس کا حلیہ خاصا ملگجا ہو رہا تھا۔ چہرے اور بالوں پر بھی گرد کی ہلکی سی تہہ جم گئی تھی۔ اچھی طرح ڈریس اپ ہوئے شہرام کے سامنے تو یہ فرق حلیہ زیادہ ہی واضح ہو رہا تھا۔

"میں منہ دھو کر آتی ہوں۔" اس نے اٹھنا چاہا۔

"خبردار جو اب منہ دھونے کا نام لیا۔" شہرام نے اسے کھینچ کر پھر سے اپنے قریب بٹھایا۔

"ابھی آپ کے کپڑے بھی دھونے ہیں۔" وہ منمنائی۔

"پھر کہو گی کھانا بھی بنانا ہے۔" وہ ہولے سے ہنسا۔

"بالکل بنانا ہے۔ اب میں بہت اچھی روٹی بنانا سیکھ گئی ہوں۔" اس نے ذرا اترا کر بتایا تھا۔

"ہوں تو گویا اپنے سگھڑاپے سے مجھے امپریس کرنا چاہتی ہو۔" وہ اس کے بال چھیڑتے ہوئے بولا۔

"جی بالکل۔ سیانے کہتے ہیں کہ مرد کے دل کا راستہ اس کے معدے سے ہو کر گزرتا ہے۔ میں بھی آپ کو اچھے اچھے کھانے کھلا کر آپ کے دل پر راج کرنا چاہتی ہوں۔" وہ اپنی لانگ ٹرم پلاننگ سے آگاہ کر رہی تھی۔

"میرا کیس مختلف ہے زوجہ محترمہ! تمہارے ہاتھ کی جلی ہوئی روٹیاں کھانے کے بعد تم سے میری محبت میں اضافہ ہی ہوا تھا۔" شہرام نے اعتراف کرنے میں عار نہ سمجھا۔

"یعنی محبت میں اضافے کے لیے آئندہ بھی آپ کو جلی روٹیاں کھلانی پڑیں گی۔" وہ معصومیت سے استفسار کر رہی تھی۔

"آئندہ ویسی روٹی کھلائی تو پھر پٹو گی بھی مجھ سے۔" شہرام نے وارننگ دی۔ انابیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔ شہرام بھی ہنس پڑا۔ زندگی کے اس نئے موڑ کی اس قدر حسین شروعات پر دونوں کا رواں رواں اپنے رب کا شکر گزار تھا۔

Famous Urdu Novels
http://famousurdunovels.blogspot.com/